خانوادۂ نبوت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں، نواسوں،
نواسیوں اور جملہ اہلِ بیت کا دلکش، معلومات افزا اور ایمان افروز مفصل و مدلل تذکرہ

تذکرہ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم



مولانا محمد عبدالمعبود

الفتح پبلی کیشنز

﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ﴾
(القرآن)

تذکرہ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

خانوادۂ نبوت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں، نواسوں، نواسیوں اور جملہ اہلِ بیت کا دلکش، معلومات افزا اور ایمان افروز مفصّل و مدلّل تذکرہ

مؤلف

مولانا محمد عبدالمعبود

الفتح پبلی کیشنز
راولپنڈی

اشاعت اوّل ۲۰۱۰ء

۲۹۷.۶۴
م ح م محمد عبدالمعبود، مولانا
تذکرہ اہل بیت اطہار/ مولانا محمد عبدالمعبود۔ راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء
۳۲۸ ص
۱. محمد۔ اصحاب

297.64
MUH Muhammad Abdul Ma'bood, Maulana
Tazkara Ahl e Bait Athaar/ by Maulana Muhammad Abdul Ma'bood.- Rawalpindi: Al-Fath Publications, 2010
328 p.
ISBN 978-969-9400-03-2
1. Muhammad - Companions

■ + 92 322 517 741 3
■ alfathpublications@gmail.com

الفتح پبلی کیشنز

distributor
VPrint Book Productions
• + 92 51 581 479 6
• + 92 300 519 254 3
• vprint.vp@gmail.com
• www.vprint.com.pk

انتساب

فخرِ کون ومکاں، سلطانِ زمین وزماں، سیّد الاوّلین والآخرین

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ

صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذرّیاتہٖ واتباعہٖ اجمعین
کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے اس حقیر سی خدمت کو منسوب کرتا ہوں،
جن کی سچی محبت اور کامل اتباع سے خاندانوں، قبیلوں اور قوموں کو دینی،
دنیوی اور اُخروی سعادت، عظمت اور فلاح وکامرانی حاصل ہوئی۔

بندۂ بے نوا

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

فہرست

آل بیت نسبی

آل بیت سکنیٰ

آل بیت ولادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤلف کا سوانحی خاکہ

راولپنڈی سے جنوب کی جانب علاقہ پوٹھوار کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''باغ فقیریہ'' میں مقیم راجپوت خاندان کی ایک نامور شخصیت مولوی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۵ رجولائی ۱۹۳۶ء/ ۱۳۵۵ھ کو ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ والد گرامی قدر نے نام ''عبدالمعبود'' رکھا۔ بعد میں ایک اللہ والے بزرگ نے اس کی ابتدا میں ''محمد'' کا اضافہ فرما دیا، اس طرح پورا نام محمد عبدالمعبود قرار پایا۔

والد گرامی قدر قطب الاقطاب سیّدی و مولائی حسین علی نور اللہ مرقدہٗ، واں بھچراں، ضلع میانوالی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ شیخ کی تعلیمات اور روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت سے سخت متنفر بنا دیا اور اتباعِ سنت ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ سخت مخالفت اور نامساعد حالات کے باوجود توحید و سنت کی تبلیغ میں مصروف رہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو راہِ راست پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

راقم الحروف کے دو بڑے بھائی بھی تھے۔ والد صاحب نے انہیں بھی دینی تعلیم دلانے کی کوشش کی، لیکن پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے ناظرہ قرآن مجید والد بزرگوار سے پڑھا۔ مڈل تک تعلیم ہائی سکول بندہ، ضلع راولپنڈی سے حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء/ ۱۳۷۱ھ میں علاقہ سواں، اڈیالہ روڈ پر واقع موضع ''مخھتہ'' کی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علوم اسلامی کے حصول کی غرض سے حاضر ہوا۔ دو سال ان سے علمی استفادہ کیا۔ فارسی میں کریما، شیخ عطار، گلستانِ سعدی، بوستانِ سعدی، اور فقہ میں نور الایضاح اور مالا بدمنہ، اور صرف میں قانونچہ زرادی، زنجانی اور مراح الارواح پڑھیں۔ مولانا موصوف نے بڑی محنت اور حسنِ تدبر سے قانونچہ مرتب فرمایا تھا، جس میں صرف کے علاوہ نحو کے بھی بہت سے

اہم اور مفید قواعد حسن انداز سے سمو دیے تھے۔

۱۹۵۴-۵۵ء/۱۳۷۳-۷۴ھ میں موضع بھیں، ضلع چکوال میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ مولانا خلیل الرحمٰن ہزاروی سے فنون اور فقہ کی کتب پڑھیں۔ بعد ازاں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان برد اللہ مضجعہ سے دورۂ تفسیر قرآن پڑھا، پھر بقیہ علوم دار العلوم تعلیم القرآن میں حاصل کیے اور ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۸ھ میں سند فراغ حاصل کی۔

۱۹۶۰ء/ ۱۳۷۹ھ میں قطب الزماں، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ ماواہ سے شرف بیعت حاصل ہوئی، اور مرشد کے رحلت فرما جانے کے بعد ان کے جانشین اور خلف الرشید حضرت مولانا عبید اللہ انور نور اللہ مرقدہٗ سے سلوک کی تکمیل کی اور بوساطت صوفی کامل حضرت محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت کی خلعت سے نوازا۔

۱۹۶۴ء/ ۱۳۸۳ھ میں جامع مسجد پھولوں والی، رحمٰن پورہ، راولپنڈی میں امامت وخطابت کی خدمت کا موقع اللہ نے دیا۔ اگرچہ ۱۹۹۶ء میں اوقاف کی ملازمت سے ریٹائر ہو گیا، مگر اہل محلہ کے شدید اصرار کے باعث یکم دسمبر ۲۰۰۶ء تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ اسی اثناء میں ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۷ھ کو جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی، جس کے اس وقت امیر، سیّدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ تھے۔ اسی سال یعنی ۱۹۶۸ء میں علوم جدیدہ میں میٹرک اور علوم شرقیہ میں فاضل فارسی کے امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

جمعیت علماء اسلام میں شمولیت کے بعد ملک میں بپا ہونے والی تمام مذہبی اور سیاسی تحاریک میں بھرپور حصہ لیا، مثلاً ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۸ھ میں بحالی جمہوریت، ۱۹۷۴ء/ ۱۳۹۴ھ میں تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۸ء/ ۱۳۹۸ھ میں تحریک نظام اسلام وغیرہ۔

۱۹۷۴ء/ ۱۳۹۴ھ میں پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت سے سرفراز فرمایا، جس کے باعث ان مقدس مقامات کی تاریخ لکھنے کا شوق دل میں شعلہ نوا ہوا۔ چنانچہ سفر حج سے واپسی پر تاریخ ''مدینۃ المنورۃ'' لکھی، جو اب تک بحمد للہ ہزارہا کی تعداد میں چھپ چکی ہے، اور اب اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن بھی طبع ہو گیا ہے۔ ۱۹۷۸ء/ ۱۳۹۸ھ میں دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے دوران بعض مقتدر شخصیات سے مکہ مکرمہ اور حرم شریف سے متعلق تاریخی دستاویز حاصل کیں اور اس موضوع پر بعض نادر تاریخی کتب خرید لایا، اور تاریخ مکۃ المکرمہ کی تدوین میں

مصروف ہو گیا، جس کی ضخیم دو جلدیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ تیسری جلد، جو نظام تعلیم پر تھی اور عرصہ تک طبع نہ ہو سکی تھی، اب مکتبہ رحمانیہ نے تینوں جلدیں یکجا بمعہ اضافہ کے شائع کر دی ہیں۔

۱۹۸۰ء/ ۱۴۰۰ھ میں دار العلوم دیوبند کی صد سالہ فقید المثال تاریخی کانفرنس میں پاکستان کے پانچ سو جید علماء کرام کی جماعت کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا، جہاں کانفرنس میں شرکت کے علاوہ دار العلوم دیوبند، سہارنپور اور دہلی کی شہرہ آفاق اسلامی درسگاہوں میں حاضری دی۔ دہلی کے عجوبہ روزگار تاریخی مقامات دیکھے، متعدد اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا اور بعض تاریخی کتابوں کا ذخیرہ بھی حاصل کیا۔ ۱۹۸۶ء/ ۱۴۰۶ھ کو دہلی میں ''شیخ الہند سیمینار'' میں شرکت کی اور آگرہ کے تاریخی مقامات بھی دیکھے۔

۱۹۸۲-۸۳ء/ ۱۴۰۲-۰۳ھ میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت عطا فرمائی۔ اس سفر کے دوران بعض قدیم اور نایاب تاریخی کتب حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، جن کی روشنی میں ''تاریخ مدینۃ المنورہ'' کی تدوین جدید کی۔ پہلے اس کے ۳۸۰ صفحات تھے اور اضافہ کے بعد ۶۸۰ صفحات ہو گئے ہیں۔ بعد میں بھی اللہ تعالیٰ نے حج وعمرہ کی سعادت بارہا نصیب فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائی ہیں۔ بحمد للہ چاروں حافظ، قاری اور عالم ہیں۔ بیٹے اپنے مدرسہ جامعہ قاسم العلوم میں اور بیٹیاں جامعہ عائشہ صدیقہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

اب تک مطبوعہ کتب حسب ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ مدینۃ المنورہ
۲۔ تاریخ مکۃ المکرمۃ
۳۔ عمدۃ المناسک
۴۔ شمائل وخصائل نبوی
۵۔ سوانح شیخ القرآن
۶۔ نماز کی مکمل کتاب
۷۔ خواتین کی نماز
۸۔ مسائل میت
۹۔ مسلک السادات فی الدعاء بعد المکتوبات
۱۰۔ خواتین کا حج وعمرہ
۱۱۔ عہد نبوی میں نظام تعلیم
۱۲۔ سیرت امہات المومنین
۱۳۔ سیرت سید الشہداء سیدنا حمزہؓ

محمد عبدالمعبود عفا اللہ

۱۸ راگست ۲۰۰۶ء

نگاہِ اوّلیں

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّابَعْدُ:

اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر اُن کی قلبی تسکین اور اُنس و مووت کے لیے حضرت حوا کو پیدا فرمایا، پھر اُن کی اولاد کا سلسلہ قائم فرمایا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً۔ (سورۃ النساء:۱)

ترجمہ: جس نے تم کو پیدا کیا ایک شخص سے، اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو، اور ان دونوں سے پھیلایا بہت سے مردوں اور عورتوں کو۔

جب سیدنا آدم اور سیدہ حوا کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی اور زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئی تو اُن کی باہمی پہچان اور ربط کی خاطر اللہ جل مجدہ نے انہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ (سورۃ الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں اور خاندان بنائے، تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

چنانچہ شعب اور قبائل کا سلسلہ جاری رہا، جن میں انبیاء و اولیاء، سلاطین و روٴساء اور مختلف انواع و اقسام کے لوگوں کا تعارف قبائل ہی کے ذریعے ہوتا رہا۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ خلق الخلق فجعلنی من خیر فرقھم، وخیر الفریقین، ثم

خیر القبائل فجعلنی من خیر القبیلة، ثم خیر البیوت، فجعلنی من خیر بیوتهم، فانا خیرهم نفسا و خیرهم بیتاً. (سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۰۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، اور مجھے ان میں سے بہترین فرقے میں پیدا کیا۔ پھر دو فرقوں کو پسند کیا، پھر قبیلوں میں سے پسند کیا اور مجھے بہترین قبیلہ میں کیا۔ پھر گھروں کو چنا اور مجھے ان میں سے بہترین گھر میں پیدا کیا۔ چنانچہ میں ان سے ذات میں بھی بہتر ہوں اور گھرانے میں بھی۔

اللہ جل مجدہٗ نے جس طرح آپ ﷺ کے خاندان کو دینی و دنیوی سیادت و قیادت سے سرفراز کیا، آپ ﷺ کے گھرانے کو بھی دنیا جہان کے گھرانوں میں افضل، معزز اور اشرف بنایا۔ چونکہ خاندان متعدد افراد پر مشتمل ہوتا ہے، جس میں نسبی، صلبی سب افراد پائے جاتے ہیں، خاندان میں مورثِ اعلیٰ اور جدِ اعلیٰ کے افکار و نظریات کے ہم نوا بھی اور اس کے مشن اور کام سے اختلاف رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی کسی عملی یا نظریاتی لغزش کے باعث انہیں خاندان کی فہرست سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ انعامات، اکرامات اور نوازشات کی بارش اطاعت گزار اور نظریاتی ہم آہنگی رکھنے والے افراد پر ہی ہوا کرتی ہے۔

جس خانوادہ کا تذکرہ پیشِ نظر ہے، اُس کے مورثِ اعلیٰ اور جدِ اعلیٰ "ہاشم" ہیں۔ لیکن اُن کا تعارف سیدِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی "عظیم نسبت" سے کرانا چاہیں گے، اور اس معروف اصطلاح "خاندان" کے بجائے "آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" اور "اہلِ بیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" جیسی پاکیزہ اور ارفع نسبت سے تذکرہ کیا جائے گا۔

ہم نے قرآن و حدیث کے تناظر میں دیکھنا ہے کہ "آل اور اہلِ بیت" کا استعمال کن معنوں میں ہوا ہے، اور "آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" اور "اہلِ بیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کن خوش نصیب، ذی وقار اور محترم ہستیوں کو قرار دیا گیا ہے۔ "سیرت اہلِ بیتِ اطہار" میں اس پر مفصل اور مدلل بحث کی گئی ہے، جس کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ لفظ "آل" اپنے وسیع تر معنوں میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازواجِ مطہرات، اولادِ اطہار، صحابہ کبار اور ہر پرہیزگار متقی امتی پر محیط ہے، جبکہ "اہلِ بیت" کی حقیقی اور اصلی مصداق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں، اور انہی کی اولاد، یعنی چاروں صاحبزادیاں بھی ان کے ساتھ

اس شرف میں برابر کی شریک و سہیم ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کو اہلِ بیت میں شامل نہ سمجھنا صریح ظلم و زیادتی ہے، بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے چشم پوشی اور حقائق سے روگردانی ہے۔ لفظ "آل" تو پوری امت کے اتقیاء کو اپنی وسعتوں میں سمیٹے ہوئے ہے، لیکن بعض لوگ اس کی لامحدود وسعتوں کو صرف "پنجتن" میں منحصر کرنے کے درپے ہیں۔ جس طرح آفتاب عالم تاب ساری دنیا کو ضیا بار کر رہا ہے، لیکن کوئی ناداں یا شپرہ چشم اس کی تابانی کو اپنے گھر کی چار دیواری میں مقید کرنے کی سعیِ نامشکور کرے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

آیۂ تطہیر "وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" کا سیاق و سباق بڑی صراحت کے ساتھ ازواجِ مطہرات ہی کو اس کا مصداق بیان کر رہا ہے۔ اور "حدیث کساء" بھی صراحتاً اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اہلِ بیت کا حقیقی مصداق تو ازواجِ مطہرات ہی ہیں۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعا نے "کملی" والی برگزیدہ ہستیوں کو بھی "اہلِ بیت" میں شامل کرا دیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ. فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا.

ترجمہ: اے اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے بھی رجس کو دور کر کے انہیں پاک صاف فرما دے۔

اگر آیت کا مصداق یہی چار ہستیاں ہوتیں تو پھر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا نعوذ باللہ، بے معنی اور بے محل ہو جاتی ہے۔

بہر حال کتاب میں اسے پوری وضاحت و صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت عقلِ سلیم اور فہم و فراست کی پاکیزگی عطا فرمائیں تو اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ ان ہی حقائق کو درود شریف کے مبارک کلمات میں بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ترجمہ: اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل و اولاد پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر رحمت نازل فرمائی، بے شک تو بڑی شان والا قابلِ تعریف

ہے۔اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل واولاد میں برکت عطا فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل میں برکت عطا فرمائی، بے شک تو بڑی شان والا قابلِ تعریف ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں ان مقدس ہستیوں کی کامل اطاعت اور سچی محبت عطا فرمائے، اور اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے مفید عام بنادے۔

بندہ بے نوا

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

آل اور اہلِ بیت کی توضیح

كُل تَقِيٍّ وَهُوَ مِنْ اَهْلِي

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر
آبا از و مکرم و ابنا عزیز تر

آل کی لغوی تحقیق

''آل'' کی لغوی تحقیق وتشریح ملاحظہ ہو:

آل کا لفظ اصل میں ''اَهلٌ'' تھا۔ ھا کو ہمزہ سے بدل دیا اور دو ہمزے ہوئے۔ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا تو ''آل'' ہو گیا۔

چنانچہ مشہور لغوی محقق علامہ ابن منظور افریقی مصری (م ۷۱۱ھ) اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں:

وآلُ الرَّجُلِ: اَهْلُهُ: وَآلُ اللّٰهِ وَآلُ رَسُوْلِه: اَوْلِيَاءُهٗ اَصْلُهَا اَهْلٌ. ثم اُبْدِلَتِ الْهَاءُ هَمْزَةً. فَصَارَتْ فِي التَّقْدِيْرِ أَأْلٌ. فَلَمَّا تَوَالَتِ الْهَمْزَتَانِ اَبْدَلُوا الثَّانِيَةَ اَلِفًا. كَمَا قَالُوْا اٰدَمُ وَاٰخَرُ.(۱)

ترجمہ: آدمی کی آل اس کی اہل وعیال ہوتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کی آل اُن کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ 'آل' دراصل 'اَهلٌ' تھا، پھر ھا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو أأل بن گیا۔ جب لگاتار دو ہمزے آئے تو اہل عرب نے دوسرے ہمزے کو الف میں بدل دیا، جیسا کہ 'آدمؑ' اور 'آخر' میں کیا گیا ہے۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

اهل المذهب، من يدين به و اَهلُ الاسلام من يدين به، واهل الأمر وُلاتهٗ، وَاَهْلُ البيتِ: سُكانه، واهل الرجل: اَخَصُّ الناس به، واهل بيت النبيَّ صلّى الله عليه وسلّم: ازواجهٗ و بَناتهٗ وصِهْره. اَعْنِيْ عليًا عليه السَّلام: وقيل نساء النبى صلّى الله عليه وسلّم...... واَهْل كل نبي امّتُهٗ.(۲)

ترجمہ: اہل المذہب اور اہل الاسلام سے مراد مذہب اور اسلام کے پیروکار ہیں۔ اہل الامر سے مراد ارکانِ مملکت ہیں۔ اہل بیت سے مراد گھر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اہل الرجل: کسی آدمی کے خاص تعلق دار، اہل بیت النبی سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں، آپ ﷺ کی بیٹیاں اور آپ ﷺ کے داماد ہیں۔ داماد سے میری مراد علی علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف آپ ﷺ کی بیویاں ہیں...... اور آل سے مراد نبی کی امت ہے۔

علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

اَھلُ الرَّجُلِ: عشیرتُہٗ، وَذُوْقُرْبَاہُ...... واھل الامر: وُلَاتُہٗ، وللبیت: سُکانُہٗ، وللمذھب: من یدین بہ، وللرجل: زوجتہ، کاھلتہ. وللنبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواجہ، وبناتہٗ وصھرہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ، او نسائہ ولکل نبیّ امتہٗ. (۳)

ترجمہ: آدمی کی اہل اس کا کنبہ، قبیلہ اور رشتہ دار ہیں...... اور اہل الامر سے مراد ارکانِ مملکت ہیں۔ اہل بیت سے مراد گھر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اور اہل مذہب سے مراد دین کے پیروکار ہیں۔ اور اہل الرجل سے مراد اُس کی بیوی ہے۔ اور اہل النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں، بیٹیاں اور داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یا اُن کی بیویاں۔ اور آل سے مراد ہر نبی کی امت ہے۔

امام راغبؒ اصفہانی (م ۵۳۸ھ) لکھتے ہیں:

''اَلْآلُ'' بعض نے کہا ہے کہ ''آل'' اصل میں ''اَھْلٌ'' ہے، کیونکہ اس کی تصغیر ''اُھَیْلٌ'' آتی ہے۔ مگر اس کی اضافت ناطقین انسان میں سے ہمیشہ ''عَلَم'' کی طرف ہوتی ہے۔ کسی اسم نکرہ یا زمانہ یا مکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں ہے۔ اس لیے آل فلان (عَلَم) تو کہہ سکتے ہیں، مگر آل رجل۔ آل زمان کذا و آل مکان کذا بولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کی طرف مضاف ہوگا، اس لیے آل الحیاط بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ آل اللہ یا آل السلطان کہا جائے گا۔ مگر اَھْل کا لفظ مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی طرف منسوب ہو کر آجاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح اہل زمن کذا و بلد کذا بولا جاتا ہے، اسی طرح اہل اللہ و اہل الحیاط بھی کہہ سکتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ لفظ ''آل'' دراصل بمعنی شخص ہے۔ اس کی تصغیر ''اُوَیْل'' آتی ہے، اور

یہ اس شخص کے متعلق استعمال ہوگا جس کو دوسرے کے ساتھ ذاتی تعلق ہو، مگر قریبی رشتہ داری یا تعلق والا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

وَآلَ اِبْرَاهِيْمَ وَآلَ عِمْرَانَ.

ترجمہ: خاندان ابراہیم اور خاندان عمران۔

اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ.

ترجمہ: فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کردو۔ (۴)

''آل'' قرآنی تناظر میں

اللہ جل مجدہٗ نے اپنے کلام مقدس میں لفظ ''آل'' تقریباً پچیس مرتبہ استعمال فرمایا ہے، اور ہر ایک مرتبہ کسی معروف و مشہور شخصیت کے ساتھ بطور مضاف استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرعون کے ساتھ اس لفظ کو چودہ مقامات پر بیان فرمایا ہے، ''آلِ فِرْعَوْن'':

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۴۹
۲۔ سورۃ البقرۃ: ۵۰
۳۔ سورۃ آل عمران: ۱۱
۴۔ سورۃ الاعراف: ۱۳۰
۵۔ سورۃ الاعراف: ۱۴۱
۶۔ سورۃ الانفال: ۵۲
۷، ۸۔ سورۃ الانفال: ۵۴ (دو مرتبہ)
۹۔ سورۃ ابراہیم: ۶
۱۰۔ سورۃ القصص: ۸
۱۱۔ سورۃ المومن: ۲۸
۱۲۔ سورۃ المومن: ۴۵
۱۳۔ سورۃ المومن: ۴۶
۱۴۔ سورۃ القمر: ۴۱

◎ سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ لفظ آل کو قرآن مجید میں چار مقامات پر بیان کیا گیا ہے:

۱۔ سورۃ الحجر: ۵۹
۲۔ سورۃ الحجر: ۶۱
۳۔ سورۃ النمل: ۵۶
۴۔ سورۃ القمر: ۳۴

◎ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ صرف ایک مرتبہ سورۃ آل عمران: ۳۳ میں لفظ

"آل" استعمال ہوا ہے۔

◉ **سیّدنا یعقوب علیہ السلام کے ساتھ**

سیّدنا یعقوب علیہ السلام کے نام کے ساتھ "آل" دو مرتبہ آیا ہے:

ا۔ سورۃ یوسف:۶ ۲۔ سورۃ مریم:۶

◉ **سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ**

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ "آل" ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ:۲۴۸ میں آیا ہے۔

◉ **سیّدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ**

سیّدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ سورۃ البقرۃ:۲۴۸ میں ایک مرتبہ لفظ آل آیا ہے۔

◉ **سیّدنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ**

سیّدنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ لفظ "آل" ایک مرتبہ سورہ سبا:۱۳ میں آیا ہے۔

◉ **سیّدہ مریم علیہا السلام کے ساتھ**

سیّدہ مریم بنت عمران کے واقعہ میں سورۃ آل عمران:۳۳ میں لفظ "آل" ایک مرتبہ آیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں سیاق وسباق اور شانِ نزول کے مطابق لفظ "آل" گروہ، جماعت، اتباع وانصار، پیروکار، قوم اور حمایتی کے معنی ومفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ بعض آیات میں اولاد کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے، لیکن وہاں بھی اتباع اور پیروی کا وصف زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن پورے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی صرف اولاد یا رشتہ دار کی وجہ سے "آل" کا اطلاق نہیں کیا گیا۔

اسی طرح لفظ "آل" میں بیوی بھی شامل ہے۔ جیسا کہ سیّدنا لوط علیہ السلام کے واقعہ میں بیوی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ط اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ. اِلَّا امْرَاَتَهٗ. (سورۃ الحجر:۵۹-۶۰)

اگر لفظ "آل" میں بیوی شامل نہ ہوتی تو استثناء کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا. (سورۃ القصص:۸)

ترجمہ۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے دریا سے موسیٰ کو نکالا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں لفظ "آل" سیّدنا ابراہیم، سیّدنا لوط، سیّدنا یعقوب، سیّدنا موسیٰ، سیّدنا ہارون اور سیّدنا داؤد علیہم السلام کے ساتھ تو استعمال ہوا ہے، یعنی آل ابراہیم، آل لوط، آل یعقوب اور آل موسیٰ وغیرہ، لیکن پورے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا۔ "آلِ محمد"، "آل نبی یا آل رسول قرآنی اصطلاح نہیں ہے۔

آل رسول ﷺ

سیّد قاسم محمود لکھتے ہیں:

"آلِ رسولؐ"، رسولؐ کی اولاد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے تعلق رکھنے والے لوگ۔ "آل" ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس لفظ کے آجانے سے اس کے معنی قوم، اولاد، خاندان اور وارث کے مشہور ہیں، جیسا کہ آلِ ابراہیم، آلِ عمران، آلِ لوط، آلِ ہارون اور آلِ فرعون وغیرہا قرآنی تراکیب سے ظاہر ہے۔

علمائے اسلام نے آلِ رسولؐ کو دو طرح بیان کیا ہے: ایک جسمانی، جس کا تعلق ماضی سے ہے، اور دوسرے روحانی، جس کا تعلق حال سے ہے۔ ایک گروہ ماضی کے تعلق سے آلِ رسول کا معنی پیغمبرِ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی لختِ جگر سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، آپ ﷺ کے داماد سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے دونوں نواسے: سیّدنا حسن ابن علیؓ اور سیّدنا حسین ابن علیؓ کی ذات والاصفات قرار دیتا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ ہی اسی نقطۂ نظر کا ایک اور گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا سیّدنا عباس بن عبدالمطلب، آپ کی اولاد اور سیّدنا علی ابن ابی طالب کے دونوں بڑے بھائیوں: سیّدنا عقیل ابن ابی طالب اور سیّدنا جعفر طیارؓ ابن ابی طالب اور اُن کی اولاد کو بھی آلِ رسول قرار دیتا ہے۔

اب رہے وہ لوگ جو اس لفظ کے روحانی پہلو کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں، ان کے نزدیک علاوہ ان پاکیزہ نفوس کے، جن کی تعظیم کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت یعنی فرزندانِ توحید، ملتِ اسلامیہ پر آلِ رسول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اُن

کی دلیل یہ ہے کہ نبوت اور رسالت وہبی چیز ہے، کسبی شے نہیں، جس سے خون اور جسم کی وراثت چل سکے۔ (۵)

اہل کا مصداق

امام راغب اصفہانی (م ۵۳۸ھ) لکھتے ہیں:

اَهْلُ الرَّجُل اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اُس کے ہم نسب یا ہم دین ہوں، یا کسی صنعت یا مکان میں شریک ہوں، یا ایک شہر میں رہنے والے ہوں۔

اصل میں اَهْلُ الرَّجُل تو وہ ہیں جو کسی کے ساتھ ایک مسکن میں رہتے ہوں۔ پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر اہل بیت الرجل کا لفظ بولا جانے لگا اور عرف میں اہل البیت کا لفظ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر بولا جانے لگا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ.

ترجمہ: اے پیغمبر کے اہل بیت! خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے۔

اور کبھی اَهْلُ الرَّجُل سے بیوی مراد ہوتی ہے۔ (۶)

امام راغبؒ مزید لکھتے ہیں:

''آلُ النَّبِيِّ'' ـ بعض نے کہا، آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں علم و معرفت کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق حاصل ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل دین دو قسم پر ہیں؛ ایک وہ جو علم و عمل کے اعتبار سے راسخ اور محکم ہوتے ہیں۔ ان کو ''آلُ النَّبِيِّ'' اور ''اُمَّتُهٗ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا سراسر تقلیدی تعلق ہوتا ہے۔ ان کو اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ سکتے ہیں مگر ''آل محمد'' نہیں کہہ سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امت اور آل میں عموم و خصوص کی نسبت ہے، یعنی ہر آل نبی اس کی امت میں داخل ہے، مگر ہر امتی آل نبی نہیں ہو سکتا۔

امام جعفر صادق سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگ تمام مسلمانوں کو آلِ نبی میں داخل سمجھتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا، یہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ سائل نے عرض کیا، یہ کیسے؟ فرمایا، غلط تو اس

لیے کہ تمام امت آلِ نبی میں داخل نہیں ہے، اور صحیح اس لیے کہ وہ شریعت کے کماحقہٗ پابند ہو جائیں تو انہیں آل النبی کہا جاسکتا ہے۔

اور آیت کریمہ:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ. (سورۃ الغافر: ۲۸)

ترجمہ: اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص نے کہا۔

اس آیت میں اس مومن مرد کے آل فرعون سے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بظاہر تو اُس کے خصوصی اہل کاروں اور فرعونی شریعت کے ماننے والوں سے تھا، اور مسکن و نسب کے اعتبار سے انہی میں سے شمار ہوتا تھا، نہ اس لیے کہ وہ لوگ بھی اسے اپنی شریعت کا پابند خیال کرتے تھے۔ (۷)

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اس میں تین توجیہات پائی جاتی ہیں:

۱۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب مراد ہیں۔ امام شافعی کا قول بھی یہی ہے۔

۲۔ اس سے مراد آپ کی نسبی اولاد ہے، اور وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد مراد ہے اور اُن کی نسل۔

۳۔ قیامت تک آنے والا ہر مسلمان اطاعت گزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔

قاضی ابوطیب، الازھری، سفیان ثوری وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) بھی اس کی تائید و توثیق فرماتے ہیں:

الآل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور اولاد ہے۔

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تشہد میں ''آل'' سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں اور جن پر صدقہ حرام ہے اور اولاد بھی اس میں داخل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل سے مراد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد بالخصوص مراد ہے۔

جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں بیان کیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد تمام قریش ہیں، جیسا کہ ابن رافعہ نے ''الکفایہ'' میں کہا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آل سے آپ ﷺ کی ساری اطاعت گزار امت ہے۔ (۹)

علامہ احمد بن حجر الہیثمی المکی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

آیۂ تطہیر میں ''اہل بیت'' سے مراد اہل بیت سکنیٰ ہیں، مثل آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے۔ اور آپ ﷺ کے اہل بیت نسب تمام بنی ہاشم اور مطلب ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وانا من اهل البيت الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا.

تو یہ اہل بیت سکنیٰ مراد ہیں۔

اور امام مسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

انه لما سئل أنساؤه من اهل بيته، فقال نساؤه من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الله الصدقة عليهم.

ترجمہ: جب ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں، آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں، لیکن اہل بیت وہ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی آل بیت سکنیٰ ہیں، ان کی عزت وتکریم اور خصوصیات کی بنا پر۔ مگر وہ نسب کی وجہ سے آل بیت نہیں ہیں۔ اور اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔[10]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

''اہل بیت'' کا اطلاق چند معنوں میں ہوتا ہے:

(۱) وہ لوگ جن پر زکوٰۃ کھانا حرام ہے۔ اور یہ بنو ہاشم ہیں، جو آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارثؓ پر مشتمل ہیں۔

(۲) کبھی یہ لفظ ''اہل بیت'' اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے، جو خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی شامل ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو اہل بیت سے نکالنا جنگ کرنا ہے، اور آیت کریمہ کے سیاق کے خلاف بھی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.

کیونکہ اس آیت میں ابتدا سے آخر تک ازواج مطہرات ہی کو خطاب کیا گیا ہے، لہٰذا درمیان سے ان پاک بیویوں کو آیت کے مصداق سے خارج کرنا کلام اللہ کی ترتیب کے بالکل خلاف ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت تو نازل ہی ازواج مطہرات کے حق میں ہوئی ہے، کیونکہ آیت کا سیاق وسباق اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے ازواج مطہرات کو اس آیت کے مصداق سے خارج کرنا اور دوسروں کا مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل بیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور اولاد ہیں۔ حسنؓ اور حسینؓ بھی ان میں شامل ہیں اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ کیونکہ سیّدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بود وباش تھی اور اُن ہی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔

(۳) اور کبھی ''اہل بیت'' کا مصداق سیّدہ فاطمہ زہراءؓ، سیّدنا علیؓ، حسنؓ وحسینؓ ہوتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہؓ کے گھر کے پاس سے نماز فجر کے لیے گزرے تو فرمایا:

الصلوٰة یااهل البیت، اِنَّما يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.

اس روایت کو ترمذی اور ابن شیبہ نے روایت کیا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی کہ خادم نے اطلاع دی کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما دروازہ پر اجازت کے لیے کھڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، پردہ میں ہو جاؤ۔ پس میں گھر کے اندر ایک طرف ہو گئی۔ پھر وہ حضرات اندر آئے۔ حسنؓ اور حسینؓ کو آپ ﷺ نے اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے حضرت علیؓ اور دوسرے ہاتھ سے حضرت فاطمہ کو پکڑ کر آپس میں قریب کر لیا۔ اس وقت آپ ﷺ ایک سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھے، وہ اُن پر ڈال دی اور فرمایا:

''خداوندا! یہ سب میرے اہل بیت ہیں، میں اور میرے اہل بیت تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں، نہ کہ نارِ جہنم کی طرف گئے ہیں۔''

(۴) ''اہل بیت'' کا اطلاق ان چارتن پر مشہور ومعروف ہے: علی، فاطمہ، حسن، حسین

رضی اللہ عنہما۔

علماء کرام ان روایات، اطلاقات اور اقوال میں تطبیق اور توجیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "بیت" کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ بیت نسب

۲۔ بیت سکنیٰ

۳۔ بیت ولادت

لہٰذا عبدالمطلب کی اولاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے "اہل بیتِ نسب" ہیں۔ ازواج مطہرات "اہل بیتِ سکنیٰ" ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شریف "اہل بیت ولادت" ہیں۔ اور اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد شامل ہے۔ ان میں سے خاص کر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات فضل وکرامت اور محبت کے لحاظ سے زیادہ ممتاز اور مخصوص ہیں۔ (۱۱)

قرآنی تصریحات

قرآن مجید کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالۃً داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا، جب فرشتوں نے انہیں فرزند ارجمند کی بشارت سنائی، ان کو پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا۔ تو فرشتوں نے کہا:

◎ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ط اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سورۃ ھود:۷۳)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو "اہل البیت" کہا گیا ہے، یعنی گھر والی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

◎ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا. (سورۃ طٰہٰ:۱۰)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہیں، "لاھلہ"۔

◎ دوسری آیت میں ہے:

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا. (سورۃ نمل:۷)

◎ سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ. (سورۃ یوسف:۲۵)

زلیخا نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا، "باھلک"، تیری بیوی۔

◎ اللہ رب العزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (سورۃ طٰہٰ:۱۳۲)

"اھلک"، اپنے گھر والوں کو۔

احادیث کے آئینہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی "اھل" کا اطلاق بیوی پر کیا گیا ہے۔

۱۔ اذا وقع الرجل باھلہ وھی حائض۔ (۱۲)

ترجمہ: حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کیا۔

۲۔ ان من اکمل المومنین ایمانا احسنھم خُلقًا والطفھم باھلہ۔ (۱۳)

ترجمہ: بے شک کامل ایمان والا وہ آدمی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنی بیوی کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

۳۔ فوجد عند اھلہ رجلا فرأی بعینہ وسمع باذنہ۔ (۱۴)

ترجمہ: پس اُس نے بیوی کے پاس ایک آدمی کو پایا، اس کی آنکھوں نے دیکھا اور کان نے سنا۔

۴۔ اذا اتی احدکم اھلہ فلیستر۔ (۱۵)

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردہ کرلے۔

۵۔ ھل منکم الرجل اذا اتی اھلہ فاغلق علیہ بابہ۔ (۱۶)

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس آئے تو دروازہ بند کرلے۔

۶۔ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔ (۱۷)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو، اور میں تم سب سے زیادہ اچھا

ہوں اپنی بیوی کے ساتھ۔

۷۔ انّ لاھلک علیک حقًا. (۱۸)

ترجمہ: بے شک تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے۔

۸۔ وقعتُ باھلی فی رمضان. (۱۹)

ترجمہ: رمضان کے روزہ کی حالت میں بیوی سے میں نے صحبت کر لی۔

۹۔ یشکو الیہ انہ وجد مع اھلہ رجلًا. (۲۰)

ترجمہ: ایک آدمی نے شکایت کی کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر آدمی کو دیکھا ہے۔

۱۰۔ فاراد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم منھا ما یرید الرجل من اھلہ. (۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (حضرت صفیہؓ کے) پاس جانے کا ارادہ فرمایا، جس طرح مرد اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے۔

حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ازواج کے لیے بھی لفظ ''اَھلؔ'' استعمال ہوا ہے۔

۱۱۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے الزام تراشی کی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرمایا:

یَسْتَشِیْرُھُمَا فی فراق اھلہ.

ترجمہ: ان دونوں سے اپنی بیوی کے جدا کرنے کے متعلق مشورہ فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے:

یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اھلک و مانعلم الا خیرا. (۲۲)

ترجمہ: یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کی بیوی (عائشہؓ) کے متعلق ہم بھلائی اور خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

ان حضرات سے مشورے طلب کرنے کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

یامعشر المسلمین مَن یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاہ فی اھل بیتی. فواللہ ما علمت من اھلی الا خیراً. (۲۳)

ترجمہ: اے مسلمانو اس شخص سے کون بدلہ لے گا جس نے میری ''اہل بیت'' کے متعلق مجھے اذیت دی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو پاکباز اور نیک ہی سمجھتا ہوں۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اشیروا علیّ فی اناس ابنوا اھلی. وایم اللہ! ماعلمت علی اھلی من سوء قط. وابنوھم بمن. واللہ ماعلمت علیہ من سوء قط. ولا دخل بیتی قط الا وانا حاضر. ولاغبت فی سفر الاغاب معی. (۲۴)

ترجمہ: مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دیں جنہوں نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی۔ اللہ کی قسم! میں اپنی گھر والی میں قطعاً کوئی برائی نہیں جانتا۔ اور جس شخص کے متعلق تہمت لگائی ہے، اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی، اور نہ ہی کبھی وہ میرے گھر میں آیا، مگر میری موجودگی میں۔ اور جب میں سفر میں گیا تو وہ بھی سفر میں گیا۔

ان تمام احادیث میں اَھلؔ سے مراد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیوی اور ''اَھلُ البَیت'' کا لفظ صراحتاً ازواج مطہرات کے لیے استعمال ہوا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات سب سے پہلے شامل ہیں، اور یہی اصلی اور حقیقی مصداق ہے۔

آل محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

احادیث طیبہ میں ''آل محمدؐ'' کا اطلاق صراحتاً ازواج مطہرات پر بھی پایا جاتا ہے۔

(۱) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً. (۲۵)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کئی مرتبہ یہ فرماتے سنا:

والذی نفس محمد بیدہ ما اصبح عند آل محمد صاع حَبٍّ ولاتمرٍ. (۲۶)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، آل محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

کے پاس صبح کو ایک صاع غلہ یا کھجور کا بھی نہیں ہے۔

(۳) عن عائشةؓ قالت: ما شبع آل محمد ﷺ منذ قدم المدينة من طعام بر ثلاث ليال تباعا حتى قبض.(۲۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے وصال تک کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔

(۴) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما شبع آل محمد من خبز شعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله ﷺ.(۲۸)

ترجمہ: دو دن تک متواتر جَو کی روٹی سے حضرت محمد ﷺ کے گھر والے سیر نہیں ہوئے۔

(۵) سیدہؓ ہی سے روایت ہے:

ما شبع آل محمد من خبز بر فوق ثلاث.(۲۹)

ترجمہ: تین دن سے زیادہ آل محمد ﷺ گندم کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے۔

(۶) ام المومنینؓ فرماتی ہیں:

ان كنا آل محمد ﷺ لنمكث شهرا ما نستوقد بنار ان هوا الا التمر والماء.(۳۰)

ترجمہ: ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ تک گزر جاتا تھا اور آگ نہ سلگاتے تھے، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔

(۷) قال رسول الله ﷺ لا تضربوا اماء الله فجاء عمر الى رسول الله ﷺ فقال ذئرن النساء على ازواجهن فرخص فى ضربهن فاطاف بآل رسول الله ﷺ نسا كثير يشكون ازواجهن فقال النبى ﷺ لقد طاف بآل محمد نساء كثير يشكون ازواجهن ليس اولئك بخيار كم.(۳۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی بندیوں کو نہ پیٹو۔ پھر حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا، عورتیں اپنے خاوندوں پر جری ہوگئی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بہت سی عورتیں اپنے

خاوندوں کا شکوہ لے کر آئیں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا، بہت سی عورتیں آلِ محمد ﷺ (حضور ﷺ کی ازواج) کے ہاں آئی ہیں جو اپنے خاوندوں کا شکوہ کرتی ہیں، وہ مرد تمہارے اچھے لوگ نہیں۔

مذکورہ بالا تمام احادیث میں ازواج مطہرات ہی کو ''آل محمد ﷺ'' کہا گیا ہے۔ ان میں نہ تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں شامل ہیں اور نہ ہی حضرات حسنینؓ کریمین۔

(۸) عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے، آپؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے عثمانؓ کو ابوبکرؓ کے پاس بھیجا (جب وہ خلیفہ ہوئے) اور اُن سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فئی اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، اس میں سے ان کے حصے ملنے چاہئیں۔

لیکن میں نے انہیں روکا اور اُن سے کہا، تم خدا سے نہیں ڈرتیں؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں فرمایا تھا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اُس ارشاد میں خود اپنی ذات کی طرف تھا:

انما ياكل آل محمد فى هذا المال فانتهى ازواج النبى ﷺ الى ما اخبرتهين.(۳۲)

ترجمہ: البتہ آل محمد ﷺ کو اس جائیداد میں سے (سابق کی طرح ان کی ضروریات کے لیے) ملتا رہے گا، جب میں نے ازواج مطہرات کو حدیث سنائی تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی۔

(۹) ''آل محمد ﷺ'' سے ازواج مطہرات اور ذرّیت بھی مراد ہیں۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ترجمہ: اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُن کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں پر، بیشک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں پر، بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس درود شریف میں ''آل'' کا لفظ چار دفعہ آیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ ''گھرانے والوں'' کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اُن لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو۔ جیسے اس کی بیوی، بچے یا رفاقت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین۔ اس لیے نفسِ لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

بہرحال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں ''آلِ محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ؐ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے۔ اور اسی طرح آلِ ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ط اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. بلاشبہ آل ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔'' (۳۳)

(۱۰) عن ابی حمید الساعدیؓ انھم قالوا یا رسول اللہ ﷺ کیف نصلی علیک؟ قال رسول اللہ قولوا، اللّٰھم صلی علی محمد و ازواجہ و ذریتہ کما صلیت علی آل ابراھیم. و بارک علی محمد و ازواجہ و ذریتہ کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید. (۳۴)

ترجمہ: صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ پر کس طرح درود بھیجیں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کہو، اے اللہ! محمد ﷺ، آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کی نسل پر اپنی رحمت نازل کر، جیسا کہ تو نے آلِ ابراہیم پر رحمت نازل کی۔ اور محمد ﷺ، ان کی ازواج اور اُن کی نسل پر برکت نازل کر، جیسا کہ تو نے آلِ ابراہیم پر برکت نازل کی۔ بلاشبہ تو ستودہ صفات پاک ہے۔ (۳۵)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات بھی آلِ محمد میں داخل ہیں، اور اسی طرح ذریت میں بھی داخل ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج تو آلِ محمد میں اصالۃً داخل ہوں اور ذریت میں تبعاً داخل ہوں، کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو، یعنی گھر والوں کو، اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہو اور ازواج داخل نہ ہوں۔'' (۳۶)

ہر متقی آل ہے

''آلِ محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم سے متقی، پرہیزگار اور پاکباز اُمتی بھی مراد ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱۱) انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما سُئل عن الآل. قال: آل محمد کل تقی. (۳۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''آل'' کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہر متقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔

امام نووی (م ۶۷۶ھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں:

(۱۲) انہ سُئل منْ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: کل مومن من تقی. (۳۸)

ترجمہ: آپ سے دریافت کیا گیا، آپ ﷺ کی آل کون لوگ ہیں؟ فرمایا، ہر متقی مسلمان میری آل ہے۔

(۱۳) علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں روایت نقل کی ہے کہ ابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، آپ ﷺ کی آل کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

کُلّ مومن. (۳۹)

ترجمہ: ہر ایماندار میری آل ہے۔

آل، وہ جن پر صدقہ حرام

"آل" میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱۴) عن زید بن ارقم رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: اذکرکم اللہ فی اهل بیتی. فقیل لزید رضی اللہ عنه، ومَن اهل بیته؟ أليس نساؤه من اهل بیته؟ قال: نساؤه من اهل بیته، ولکن اهل بیته من حرم الصدقة بعده آل علی، وآل عقیل، وآل جعفر، وآل عباس. (۴۰)

ترجمہ: میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا، آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اور وہ سب اہل بیت میں سے ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ خیرات حرام ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا، حضرت علی کا خاندان، حضرت عقیل کا خاندان، آل جعفر اور آل عباس کا خاندان۔

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان هذه الصدقات. انما هی اوساخ الناس، وانها لاتحل لمحمد ولا لآل محمد. (۴۱)

ترجمہ: بے شک یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی آل کے لیے حلال نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب پر صدقہ حرام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ صدقہ صرف بنو ہاشم پر حرام ہے۔ (۴۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس کی اولاد اہل بیت میں شامل ہیں۔ (۴۳)

(۱۶) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صغر سنی میں صدقہ کی کھجور منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ان کے منہ سے کھجور نکال دی اور فرمایا:

انا ال محمد لاتحل لنا الصدقة. (۴۴)

ترجمہ: ہم آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

(۱۷) حضرت عبید اللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارقم بن ارقم زہری رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ لیکن ابو رافعؓ آپ ﷺ کی خدمت میں اجازت لینے کو حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ابا رافع، ان الصدقة حرام علی محمد و علی آل محمد. وان مولی القوم منهم. (۴۵)

ترجمہ: اے ابو رافع! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمدؐ پر صدقات حرام ہیں، اور آزاد کردہ غلام بھی اسی قوم کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۱۸) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو ہاشم کے دو نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمیں صدقات وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمائیں، تاکہ ہم بھی دوسروں کی طرح فائدہ اٹھا سکیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة. وهی اوساخ الناس. (۴۶)

ترجمہ: بے شک ہم آل محمدؐ کے لیے صدقہ حرام ہے۔ یہ صدقات لوگوں کے گناہوں کا میل ہوتا ہے۔

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نوفل بن حارث نے اپنے دو بیٹوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ﷺ سے صدقات کے مال سے کچھ تعاون حاصل کریں، تاکہ گھریلو ضروریات پوری کی جا سکیں۔ وہ دونوں آپ ﷺ کے دردولت پر حاضر ہوئے اور گھر میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا، پردہ کر لیں، میرے چچا کے بیٹے آ رہے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی ضرورت کا ذکر

کیا، جس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

لایحل لکما اھل البیت من الصدقات شیئی. ولاغسالۃ ایدی الناس. (۴۷)

گذشتہ احادیث میں ''آلِ محمدؐ'' سے مراد حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پاکباز بیوی ہونا صراحتاً ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح ایسی متعدد احادیث پائی جاتی ہیں جن میں ''اہلِ بیت'' سے مراد صرف حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات لی گئی ہیں، ان میں بیٹیاں وغیرہ کوئی بھی شامل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا، لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

فخرج النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فانطلق الی حجرۃ عائشۃ. فقال السّلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللّٰہ. فقالت وعلیک و رحمۃ اللّٰہ کیف وجدتَ اھلک. بارک اللّٰہ لک. (۴۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت زینبؓ کے گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا، ''اے اہلِ بیت!'' تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت نازل ہو۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں عرض کیا، اور آپ ﷺ پر بھی اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو۔

''**کیف وجدتَ اھلک** '' آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ اللہ آپ ﷺ کو برکت عطا فرمائے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

فجعل یمر علی نسائہ فیسلم علی کل واحدۃ منھن سلام علیکم کیف انتم یا اھل البیت فیقولون بخیر یارسول اللّٰہ، کیف وجدت اھلک. فیقول بخیر. (۴۹)

ترجمہ: پھر آپ ﷺ ہر ایک بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو سلام کیا۔ اے اہلِ بیت! تم کیسی ہو؟ سب نے یہی کہا، یارسول اللہ ﷺ! ہم خیریت سے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ ارشاد فرمایا، خوب ہے۔

حدیثِ کساء

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی کملی میں بٹھالیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، ان پر بھی چادر ڈال دی اور اللہ کے حضور عرض کیا:

''یا اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کر دے، اور ان کو خوب پاک کر دے۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اپنی جگہ رہو، تم خیر پر ہو۔ (۵۰)

حدیث کساء کی کسی محقق نے انتہائی نفیس تخریج فرمائی ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے احباب کے لیے اسے نقل کیا جاتا ہے۔

وَرُوِی عن أنس و عائشۃ وأم سَلمَۃ نحو ذلک.

أصل الحدیث. ورد عن جماعۃ من الصحابۃ.

(۱) حدیث أم سلمۃ، ولہ طرق متعددۃ: الأول: أخرجہ الطحاوی فی "المشکل" ۷۶۶ من طریق الأجلح عن شھر بن حوشب عن أم سلمۃ، وعبدالملک عن عطاء عن أم سلمۃ. وإسنادہ حسن فی الشواھد، الأجلح ھو ابن عبداللّٰہ، وثقہ قوم، وضعفہ آخرون، وقد تابعہ عبدالملک بن أبی سلیمان، وھو ثقۃ، لکن لم یسمع عطاء من أم سلمۃ. وأخرجہ أحمد ۶/ ۳۰۳ والترمذی ۳۸۷۶ والطبرانی ۲۳ (۷۶۹) عن زبید بن الحارث عن شھر عن أم سلمۃ. وإسنادہ لین لأجل شھر. الطریق الثانی: أخرجہ الطحاوی ۷۶۸، والطبری ۲۸۳۹۵ و ۲۸۳۹۷ من طریق عطیۃ العوفی عن أبی سعید عن أم سلمۃ. وإسنادہ واہ لأجل عطیۃ العوفی. الطریق الثالث: أخرجہ الطحاوی ۷۶۵ و ۷۶۷ من طریق عمرۃ بنت أفعی عن أم سلمۃ. وإسنادہ ضعیف لجھالۃ عمرۃ. الطریق الرابع: أخرجہ الطحاوی ۷۶۳ والطبری ۲۸۳۹۸ من طریق عبداللّٰہ بن وھب بن زمعۃ. وإسنادہ ضعیف، فیہ خالد بن مخلد القطوانی، غیر

حجة، و موسٰى بن يعقوب سيء الحفظ. الطريق الخامس: أخرجه الطحاوى ۷۲۲ والطبرى ۲۸۵۰۲ والطبرانى ۲۳ (۷۵۰). وإسناده ضعيف، فيه عنعنة الأعمش، وهو مدلس، وفيه جعفر بن عبدالرحمٰن البَجَلي، وهو شبه مجهول، حيث وثقه ابن حبان وحده. الطريق السادس: أخرجه الطبرى ۲۸۴۹۶ من طريق سعيد بن زربى عن ابن سيرين عن أبى هريرة عن أم سلمة. وإسناده ضعيف لضعف سعيد بن زربى. ولفظه عند الترمذى: عن أم سلمة أن النبى ﷺ جلل على الحسن والحسين و على و فاطمة كساء، ثم قال: اللّٰهم هؤلاء أهل بيتى و خاصتى أذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيراً، فقالت أم سلمة: وأنا معهم يا رسول الله قال: إنكِ إلى خير. قال الترمذى: هذا حديث حسن، وهو أحسن شيء روى فى هذا الباب.

(۲) حديث عائشة رضى الله عنها: أخرجه مسلم ۲۴۲۴ والطبرى ۲۸۴۸۸ من طريقين عن محمد بن بشر عن زكريا به وإسناده غير قوى، فيه مصعب بن شيبة، فهو وإن روى له مسلم فقد ضعفه غير واحد، لذا لينه الحافظ فى "التقريب" لكن لم ينفرد بهذا المتن. وأخرجه الحاكم ۳/ ۱۴۷ من طريق عبدالله عن زكريا به! وصححه الحاكم على شرطهما ووافقه الذهبى!، وليس كما قالا، فقد تفرد. وأخرجه البغوى ۳۸۰۴ من طريق الوليد بن شجاع عن يحيى بن زكريا به. ولفظه عند مسلم: قالت عائشة: خرج النبى ﷺ غداة وعليه مرط مرحّل من شعر أسود فجاء الحسن بن على فأدخله. ثم جاء الحسين فدخل معه. ثم جاء ت فاطمة فأدخلها. ثم جاء على فأدخله ثم قال: "إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا."

(۳) حديث واثلة بن الأسقع: أخرجه أحمد ۴/ ۱۰۷ و فى "الفضائل" ۹۷۸ وابن أبى شيبة ۱۲/ ۷۲-۷۳ وابن حبان ۶۹۷۶ والحاكم ۳/ ۱۴۷ والطحاوى فى "المشكل" ۷۷۳ والطبرى ۲۸۴۹۳ من طرق عن الأوزاعى ثنى شداد أبو عمار قال سمعت واثلة... بنحو الحديث المتقدم، وليس فيه ذكر أم سلمة أصلاً. وإسناده صحيح. شداد من رجال مسلم، وباقى الإسناد على شرط الشيخين، وقد صححه الحاكم على شرطهما، وتعقبه الذهبى بقوله: على شرط مسلم. وكرره الطبرى

۲۸۴۹۳ من طريق كلثوم المحاربى عن شداد به، وإسناده حسن فى الشواهد.

(۴) حديث عمرو بن أبى سلمة: أخرجه الترمذى ۳۷۸۷ والطبرى ۲۸۴۹۹ والطحاوى فى "المشكل" ۷۷۱ من طريق يحيى بن عبيدالمكى عن عطاء عن عمر بن أبى سلمة به. ورجاله ثقات معروفون غير يحيٰى بن عبيد حيث قال الحافظ فى "التقريب": يحيٰى بن عبيد عن عطاء، يحتمل أن يكون الذى قبله، وإلا فمجهول. وقال عن الذى قبله: يحيٰى بن عبيدالمكى، مولٰى بنى مخزوم، ثقه من السادسة. قلت: قد توبع على أكثر هذا المتن، دون لفظ "وجعل علياً خلفه" فقد تفرد به، وهو غريب.

(۵) حديث سعد بن أبى وقاص: أخرجه مسلم ۲۴۰۴ والترمذى ۲۹۹۹ و ۳۷۲۴ و أحمد ۱/ ۱۸۵ والنسائى فى "الخصائص" ۱۱ والطحاوى فى "المشكل" ۷۶۱ من طرق عن حاتم بن إسماعيل عن بُكير بن مسمار عن عامر بن سعد عن سعد قال: لما نزلت هذه الآية ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ﴾ دعا رسول الله ﷺ علياً وفاطمة وحسناً و حسيناً، فقال: "اللّٰهم هؤلاء أهلى". لفظ مسلم والترمذى وغيرهما دون النسائى والطحاوى حيث ذكر من الحديث الآية التى فى الأحزاب. وكرره النسائى ۵۳ والطبرى ۲۸۵۰۱ والحاكم ۳/ ۱۰۸ من وجه آخر، وليس فيه ذكر الآية أصلاً. بل فيه "حين نزل الوحى" وإسناده صحيح.

الخلاصة: هو حديث صحيح بمجموع طرقه وشواهده. وأصح متن وإسناد فى هذا الباب حديث سعد ثم حديث واثلة ثم حديث أم سلمة لطرقه الكثيرة ثم حديث عائشة ثم حديث عمر بن أبى سلمة.

علامہ شوکانیؒ کی تصریحات

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ) نے مصداقِ اہل بیت، منقبتِ اہل بیت اور حدیث کساء کے سلسلہ کی متعدد روایات بڑے اہتمام سے نقل کی ہیں۔ اور ڈاکٹر حسین بن عبداللہ العمری نے جملہ روایات کی تخریج سے ان کی افادیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ علمی ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے اسے من وعن پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) أخرج (مسلم) و (أحمد) عن زَيْد بن أرْقم، قال: قال رسول الله ﷺ:

"ألا وإنى تارك فيكم ثقلَيْنِ، أحدُهما كتابُ اللهِ عزّ وجلّ، هو حَبْلُ الله الذى مَنِ اتَّبعَهُ كان عَلَى الهدَى، ومَنْ تَرَكَهُ كانَ عَلى الضَّلاَلَة، وَعِتْرَتِى أَهْلَ بَيْتى."

فقلنا: مِنْ أهل بَيْته نساؤه؟

قال: "أيْمُ اللهِ إنّ الْمرأةَ تكونُ معَ الرَّجلِ العَصْرَ مِنَ الدَّهْرِ فَيُطلِّقُها فترْجِعُ إلى أبيها وقَوْمِها، أهْل بَيْتِه: أصْلُه وَعُصْبَتُه الذين حُرِمُوا الصَّدَقَةَ بَعْدَه."

(۲) وأخرج (البخارى) عن ابن عُمَرَ، أن أبا بكر الصديق قال:

"ارْقَبُو محَمَّداً ﷺ فى أهْلِ بَيْتِه."

(۳) وأخرج (مسلم) عن عائِشَةَ، قالت:

خَرَجَ رسولُ الله ﷺ وعَلَيْهِ مُرْطٌ مُرَحّل [من شَعْرٍ] أسْوَدُ، فجاء الحَسَنُ فأدْخَلَه، ثم جاء الحُسَيْنُ فأدْخَلَه، ثم جاءَتْ فاطِمَةُ فأدْخَلها، ثم جاءَ عَلِيٌّ فأدْخَلَه، ثم قال:

﴿إنّما يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.﴾

(۴) وأخرجه. أيضاً. الحاكم وصَحّحَه.

(۵) وأخرج (الترمذى) من حَدِيثِ أنس، قال: كان رسول الله ﷺ [۳۰/أ] حين نَزَلَتْ هذه الآية: ﴿إنّما يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أهْلَ الْبَيْتِ﴾ يَمُرُّ بباب فاطمة إذا خرج للصلاة قريباً من ستة أشهر فيقول:

"الصَّلاةَ أهْلَ الْبَيْتِ ﴿إنّما يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.﴾

(۶) وأخرج (الترمذى). أيضاً. والحاكم وصَحّحَهُ، عن أم سَلَمَةَ قالت:

نَزَلَت هذه الآيةُ وأنا جالِسَةٌ على باب بَيْتِ النّبى ﷺ: ﴿إنّما يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.﴾ وفى البَيْتِ رَسولُ الله ﷺ وعلى وفاطمة والحَسَنُ والحُسَيْن فجَلَّلَهم بكساءٍ، وقال:

"اللَّهُمّ هؤُلاَءِ أهْلُ بَيْتِى. فَأذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا."

فقلت: يارسول الله ألَسْتُ مِنْ أهْلِ البَيْتِ؟ قال: "إنَّكِ إلى خَيْرٍ، (أنْتِ مِنْ أزْوَاج النّبى ﷺ)"

(۷) وأخرج (الترمذى) وصَحّحه، و(الحاكم) وصَحّحه عن سعد بن أبى وَقّاصٍ قال:

لما نَزَلَتْ هذهِ الآيَةُ: ﴿نَدْعُ أبْنَاءَ نَا وَأبْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَ كُمْ﴾. الآية دَعَا رَسُولُ الله ﷺ عَلِيًّا وفاطِمَةَ وحَسَنًا وحُسَيْنًا، وقال:

"اللَّهُمّ هؤلاءِ أهْلِى."

(۸) وأخرج (الحاكم) وصَحّحه من حديث عبدالله بن جَعْفَر، قال: لما نظر رَسُوْلُ اللّه إلى الرَّحْمَةِ هابِطَةً، قال: "ادْعُوا لى، ادْعُوا لى" فقالت صَفِيَّةُ: مَنْ يارَسُوْلَ اللّه؟ قال: "أهْلَ بَيْتى: عَلِيًّا وفَاطِمَةَ والحَسَنَ والْحُسَيْن" فجيء بهم، فألقى عَلَيْهم النبى ﷺ كِساءَهُ ثم رَفَع يديه فقال:

"اللَّهُمّ هؤلاء آلى، فَصَلِّ عَلَ مُحَمَّدٍ وَعَلى آل محمد."

وأنْزَلَ اللّه عزّ وجل: ﴿إنّما يُرِيْدُ اللّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.﴾

(۹) وأخرج (الحاكم) وصَحّحَهُ وتَعَقَّبه عن ابن عَبّاس، قال: قال رسول الله ﷺ: "النّجومَ أمانٌ الأهلِ الأرْضِ مِنَ الغَرَقِ، وأهْلُ بَيْتى أمان لأُمَّتى مِنَ الاخْتِلاف.

(۱۰) وأخرج (الترمذى) و(الحاكم) وقال: صحيح الإسناد عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ:

"أحِبّوا اللّهَ تعالى لِمَا يَغْذُوكم بِهِ مِنْ نعَمِهِ، وأحِبُّونى لِحُبِّ اللّهِ، وأحِبُّوا أهْلَ بَيْتِى لِحُبّى."

(۱۱) وأخرج (الحاكم) فى (المُسْتَدْرَك)، وقال: حديث صحيح على شرط (مسلم) عن أبى سعيد الخُدْرِى، قال: قال رسول الله ﷺ:

"والّذى نَفْسى بِيَدِهِ لا يُبْغِضُنَا أهْلَ البَيْتِ أحَدٌ إلّا أدْخَلَهُ اللّه النّارَ."

(۱۲) وأخرج (الحاكم) فى (المستدرك) وقال: صحيح الإسناد عن أبى ذَرّ

انه قال وهو آخِذٌ بباب الكَعْبة:

من عَرَفَني فقد عَرَفني، وَمَنْ أنكرني فأنا أبو ذرٍّ، سَمِعْتُ رسولَ اللّٰه ﷺ يقول:

"الا إنَّ [مَثَلَ] أهلِ بَيْتِي فيكم مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَها نَجا ومَنْ تخلّف عنها (هَلَكَ)."

(۱۳) وأخرجَهُ من حديثه (البزّار) و(الطَبَراني) في معاجِمه الثلاثة، وفي إسناد البزّار الحَسَنُ بن أبي جعفر الجَفْري، وفي إسنادِ الطَبَراني عبداللّٰه بن داهر وهما متروكان، وليسا في إسناد (الحاكم).

(۱۴) وأخرجه (البزّار) و(الطَبَراني) من حديث ابنِ عبّاس، وفيه الحسنُ بنُ أبي جَعْفر الجَفْري المذكور.

(۱۵) وأخرج (الطَبَراني) في (الكبير) عن ابن عُمَرَ أنه ﷺ قال:

"أولُ مَنْ أشفَعُ لَهُ يومَ القِيامَةِ [من أمّتي] أهْلُ بَيْتِي، ثُمّ الأقْرَبُ فالأقْرَبُ مِنْ قُرَيْشٍ، ثم الأنصار، ثم مَنْ آمَنَ بي واتّبعني من اليَمَن، ثُمّ سائِر العَرَب، ثمّ الأعاجِمُ، وَمَنْ أشفعُ لَهُ أوّلًا فَضْلُ."

(۱۶) [۳۰/ب] وأخرج (ابن عساكر) عن عليّ بن أبي طالب، عنه ﷺ:

"من صَنَعَ إلى أحدٍ مِنْ أهْلِ بَيْتِي يَدًا كافَيْته عَلَيْها يَوْمَ القِيامة."

(۱۷) وأخرج (الخطيب) عن عثمان بن عفّان، قال: قال رسولُ اللّٰه ﷺ:

"مَنْ صَنَعَ صَنِيعَةً إلى أحَدٍ مِنْ خَلَفِ عَبْدِ المُطَّلِبِ وَلَمْ يُكافِهِ بِهَا في الدُّنْيا فَعَلَيَّ مكافأته إذا لَقِيَني!"

(۱۸) وأخرج (ابنُ عَدِيّ) و(الدَيْلَمي) في (مُسْنَد الفِرْدَوْس) عن علي، عنه ﷺ أنه قال:

"أثبتُكم على الصِّراطِ أشدُّكم حُبًّا لأهلِ بَيْتِي ولأصحابي."

(۱۹) وأخرج (الترمذي) و(ابن ماجة) و(الحاكم) في (المستدرک) و(ابن حبّان) عن زَيْد بن أرْقم أنه ﷺ قال لعلي وفاطمة وحَسَنٍ وحُسَيْنٍ:

"أنا حَرْبٌ لِمَنْ حارَبْتُمْ وَسِلْم لِمَنْ سالَمْتُم."

(۲۰) وأخرجه (الحاكم) في (المستدرک) أيضًا من حديث أبي هُرَيْرة، وقال: هَذا حَدِيثٌ حَسَن.

(۲۱) وأخرج (أحْمَد) و(الترمذي) عن عَلِي أنه ﷺ قال:

"من أحَبَّ هَذَيْن- يعني الحسن والحُسَين- وأباهُما وأُمَّهما كانَ مَعِي في دَرَجَتِي يَوْمَ القِيامة."

(۲۲) وأخرج (ابن ماجة) و(الحاكم) في (المستدرک) عن أنس عنه ﷺ أنه قال:

"نحنُ بَنو عَبْدِ المُطّلِب قادة أهْلِ الجَنّة: أنا وحَمْزَةُ وعَلِي وجَعْفَرُ والحَسَنُ والحُسَيْنُ والمَهْدِي."

(۲۳) وأخرج (الطَبَراني) في (الكبير) عَنْ عَلِي و(الحاكم) عن أبي سعيد أنه ﷺ قال لفاطِمَة:

"إنّي وإيّاكِ وهَذا الرّاقِدُ- يَعْنِي عَلِيًّا- والحَسَنَ والحُسَيْنَ يَوْمَ القِيامَةِ لَفِي مَكانٍ وَاحِدٍ."

(۲۴) وأخرج (أبو نُعَيم) في (الحِلْيَة) عن علي عنه ﷺ:

"مَنْ آذاني في أهْلي فَقَد آذَى اللّٰه."

(۲۵) وَرَوى (الطَبَراني) في (الأوسط) بإسناد فيه عاصم بن عبيداللّٰه وهو ضعيف عن ابنِ عُمَرَ، قال: آخرُ ما تكلم به النبي ﷺ:

"اخْلِفُوني في أهْلِ بَيْتِي."

(۲۶) وأخرج (الطَبَراني) في (الأوسط) بإسنادٍ رجاله رجال (الصحيح) غير عُبَيْد بن طفيل، وهو ثقة، عن عَلِي أنّه دَخَلَ على النبي ﷺ وقد بسط شَمْلَةً فجلس عليها هُوَ وعَلِيٌّ وفاطِمَةُ والحَسَنُ والحُسَيْن، ثم قال:

"اللّهُمّ ارْضَ عَنْهُمْ كَما أنا عَنْهُم راضٍ."

(۲۷) وأخرج (الطَبَراني) في (الكبير) و(الأوسط) عن زَيْنَب بنت أبي سَلَمة أن رسول اللّٰه ﷺ كان عند أم سَلَمَة، فَدَخَل عليها الحَسَنُ والحُسَيْن وفاطِمَةُ، فجعل

الحَسَن مِنْ شِقٍّ والحُسَيْنَ مِنْ شِقٍّ، وفاطمةَ فی حِجْرِهِ، وقال:

"رحمةُ اللّٰه وبَرَكاتُهُ علَيْكُم أهْلَ البَيْتِ، إنه حَمِيْدٌ مَّجِيد."

فبَكَتْ أم سَلَمَة، فقال: ما يُبْكِيك؟ فقالت: يارسُولَ اللّٰه خصَصْتَ هؤلاء وتركتنِى أنا وابنتى؟ وقال: "أنتِ وابنتُكِ مِنْ أهْلِ البَيْت."

وفى إسناده ابنُ لَهِيعَة وفيه ضعف يَسير، وحديثه فى الغالب حَسَن.

(۲۸) وأخرج (البزّار) بإسنادٍ فيه من لم يُعرف عن شَهْرِ بن حَوْشَب، قال:

اقام رجال خُطَباءُ يَسُبُّونَ عليًّا، حَتّٰى كانَ آخرَهُمْ رَجُلٌ مِنَ الأنْصارِ يقال له أنيس، فقال: واللّٰه لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يقول:

"إنى لأَشْفَعُ يَوْمَ القِيامَةِ لأكْثَرَ مِمّا على الأرضِ مِنْ شَجَرٍ وَحَجَر."

وأيم اللّٰهِ ما أحَدٌ أوصَلَ لِرَحِمِهِ مِنْ رَسُولِ اللّٰه ﷺ، أفَيَرْجُوها غَيْره ويُقصِرُ عن أهل بيته؟

(قال ابن حجر: إسناده حسن إن كان [۳۱/أ] شَهْر سَمِعَه).

(۲۹) وأخرج (الطّبرانى) فى (الكبير) بإسناد رجاله ثقات عن أبى جَمِيلة، أن الحَسَن بنَ علِى حِينَ قُتِلَ علِيّ اسْتُخْلِفَ، فَبَيْنما هُوَ يُصَلّى بالناسِ إذ وثب إليه رجل فَطَعَنه بِخَنْجَرٍ فى وَرِكِهِ، فَتَمَرّضَ منها أشْهرًا، ثم قام فَخَطَبَ علَى المِنْبَر، فقال:

يا أهْلَ العِرَاقِ اتَّقُوا اللّٰه فِينا فإنّا أُمَراؤكم وضِيفانُكم، ونَحْنُ أهْلُ البَيْتِ الذين قال اللّٰه عزّ وَجلّ: ﴿إنَّما يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أهْلَ البَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

فمازال يَوْمَئِذٍ يَتَكَلَّمُ حَتّٰى ما نَرى فِى المَسْجِدِ إلّا باكيًا.

(۳۰) وأخرج (الطّبرانى) فى (الأوسط) بإسنادٍ رجاله ثقات، إلّا سُلْمى بن عُقْبَة فلم يُعْرف عن أبى هُرَيْرَة، أن علِى بن أبى طالب قال:

يا رَسُولَ اللّٰه أيُّما أحَبُّ إلَيْكَ أنا أمْ فاطمة؟ قال: "فاطمةُ [أحبُّ] إلَيَّ مِنْكَ وأنْتَ أعَزُّ عَلَيَّ مِنْها، وكأنّى بِكَ وأنْتَ علَى حَوْضِى تَذُودُ عَنْهُ النّاسَ وإنّ علَيْهِ لأباريقَ [مثلَ] عَدَدِ نُجُومِ السماء، وإنّى وأنْتَ والحَسَن والحُسَين وفاطمةَ وعَقِيلَ

وجَعْفَرَ فى الجَنّة ﴿إخْوانًا علَى سُرُرٍ مُّتَقابِلِين﴾ لا يَنْظُرُ أحَدٌ فى قَفا صاحِبِه."

(۳۱) وأخرج (الطّبرانى) فى (الأوسط) بإسناد رجاله ثقات، عن ثَوْبانَ مَوْلىٰ رسول اللّٰه ﷺ أن رَسُولَ اللّٰه ﷺ دعا لأهلِهِ فَذَكَرَ عليًّا وفاطمة وغيرَهما، فقلتُ: يارَسُولَ اللّٰه! أنا مِنْ أهْلِ البَيْت؟ قال: "نعم! مالَمْ تَقُمْ علَى بابِ سُدّةٍ أوْ تأتِى أمِيرًا تَسْأله."

(۳۲) وأخرج (الطّبرانى) فى (الأوسط) و(الكبير) ورجالهما رجال الصحيح، غير الحَسَن بنْ سَهْل – وهو ثقة، عن جابر، أنه سمعَ عُمَرَ بنَ الخَطّاب يقول للناس حين تزوّج بنتَ علىّ: الا تُهَنّئونى؟ سَمِعتُ رسول اللّٰه ﷺ يقول:

"يَنْقَطِعُ يَوْمَ القِيامَةِ كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ إلّا سَبَبِى وَنَسَبِى."

(۳۳) وأخرج (الطّبرانى) فى (الكبير) بإسنادٍ رجالُه ثقات، عن ابنِ عبّاس أن رسول اللّٰه ﷺ، قال:

"كُلُّ سَبَبٍ ونَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ القِيامَةِ إلّا سَبَبِى وَنَسَبِى."

(۳۴) وأخرج (الطّبرانى) فى (الكبير) بإسناد فيه إبراهيم بنُ زَكَرِيّا العَبْدَسِى، ولم يُعْرَفْ حالُه، عن أمِّ بكرٍ بنتِ المِسْوَرِ بنِ مَخْرَمَة أن الحَسَن بنُ على خَطَبَ إلى المِسْوَرِ بن مَخْرَمَةَ ابنَتَهُ، فَزَوَّجَه، وقال: سمعْتُ رَسُولَ اللّٰه ﷺ يقول:

"كُلُّ سَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ القِيامَةِ إلّا سَبَبِى وَنَسَبِى."(۵۱)

حواشى

(۱) (مسلم): ۲/۳/۱۰۹–۱۱۰ من حديث زيد بن أرقم بنصه، ومن طرق أخرى، وفى إحداها بعد: "والذين حرموا الصدقة بعده." قال: ومن هم؟ قال: "هُمْ آلُ على وآلُ عَقيل وآلُ جَعْفَر، وآل العبّاس. قال: كُلُّ هؤلاء حُرِمَ الصَّدقة؟ قال: "نعم"

وهو عند (أحمد) من حديثه. و من طرق أخرى: ۳/۱۳، ۱۷، ۲۶، ۵۹ و ۴/۳۶۷، ۳۷۱، واخرجه (الدارمى) فى سننه: (كتاب فضائل القرآن)، ۲/۴۳۱–۴۳۲.

وراجع ما سبق عن حديث (غدير خم)، ص ٦٦

(۲) (البخارى): (فتح البارى: ۷/۲۳)

(۳) (مسلم). فضائل: ۲/۲/۱۱۶

و (مرط مرحل): أى فيه صور الرحال، وهو ضرب من برود اليمن.

وهو عند (أحمد): ۱۶۳/۲ و (قسمه الأول) أبوداود: كتاب اللباس: ۱۷۲/۳

(۴) سیرد بعد، وانظر عن الحديث بمختلف رواياته (مشكل الآثار): ۳۳۹-۳۳۲/۱

(۵) (الترمذی) من حديث أنس (بلفظه: تحفة تفسير سورة الأحزاب: ۶۸/۹) وانظر تفسيرها في (فتح القدير): ۲۷۹-۲۷۸/۳

(۶) (الترمذی): ۶۶/۹ والعبارة الأخيرة بين القوسين ليست فيه، (المستدرک): ۱۳۲/۳، ورواه (الطبرانی) فی (الكبير) من عدة طرق: ۵۱-۳۶/۳ (من رقم ۲۶۶۳-۲۶۷۳) والحديث بمختلف طرقه و شرحه فی (فتح القدير): ۲۷۹/۳

(۷) الترمذی: تفسير سورة آل عمران (تحفة: ۳۵۰-۳۴۹/۸)، وأخرجه مطولاً في (مناقب علی: ۲۲۸/۱۰)، والآية ۶۰ من آل عمران تمامها: ﴿...وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ وتسمى بآية (المباهلة) من (الابتهال) وهو الاجتهاد في الدعاء باللعن وغيره.

(انظر تفسيرها في فتح القدير: ۳۴۷-۳۴۶/۱) (المستدرک): ۱۴۷/۳

(۸) (المستدرک): ۱۴۸/۳ وقد تقدمت الآية (۳۳/۳۳)

(۹) (المستدرک): ۱۴۹/۳ وبقيته فيه: "...فإذا خالفتها قبيلة من العرب اختلفوا فصاروا حزب إبليس." وعلق عليه الحافظ الذهبي بأنه (موضوع).

(۱۰) (الترمذی): تحفة: ۲۹۳/۱۰، (المستدرک): ۱۵۰/۳

(۱۱) (المستدرک): ۱۵۰/۳

(۱۲) (المستدرک): ۱۵۱-۱۵۰/۳ ومنه [مثل]، وفيه بدل "هلک"، "غرق"

(۱۳) عن (مجمع الزوائد) وتضعيف السند له: ۱۶۸/۹ وزاد على حديث (المستدرک):
"ومن قاتلنا في آخر الزّمان كَمَنْ قاتَلَ مَعَ الدَّجّال."
و (الطبرانی): الصغير: ۱۳۹،۱۳۵،۱۳۱/۱

(۱۴) المجمع، أيضًا: ۱۶۸/۹

(۱۵) عن (كنز العمال): ۹۳/۱۲ رقم (۳۳۱۳۵) عن الطبرانی والحاكم، ومنه الإضافة.

(۱۶) عنه، أيضًا، رقم (۳۳۱۵۲) عن (ابن عساكر) عن (علی).

(۱۷) عنه، أيضًا، عن (الخطيب) بلفظه رقم (۳۳۱۵۳) عن (عثمان).

(۱۸) عنه: (عنهما) برقم (۳۳۱۵۷) وكرّره عن الإكمال برقم (۳۳۱۶۳)

(۱۹) نقلاً عنه كذالک عن (الأربعة) عن زيد بن أرقم برقم (۳۳۱۵۹)، وهو عند (الترمذی): ۳۴۲/۱۰، و (ابن ماجه)، مقدمه: ۶۵/۱، (المستدرک): ۱۴۹/۳

(۲۰) عن (الكنز)، أيضًا، عن (المستدرک) و (أحمد) و (الطبرانی) رقم (۳۳۱۶۳)، وهو نفسه

السابق، إلا أنه عن طريق آخر من حديث أبي هُرَيْرَة؛ (المستدرک): ۱۴۹/۳

(۲۱) (أحمد): ۷۷/۱، (الترمذی) (مناقب علی بن أبی طالب): ۲۳۷/۱۰، وقال: "هذا حديث حسن غريب لانعرفه من حديث جَعْفر بن محمد إلّا من هذا الوجه."
ونقله المؤلف عنهما عن (كنز العمال): ۹۷/۱۲ برقم ۳۳۱۶۱

(۲۲) عنهما نقلاً عن (كنز العمال)، أيضًا، برقم (۳۳۱۶۲)، وهو عند ابن ماجه: "كتاب الفتن باب خروج المهدی": ۵۱۹/۲ وأوله فيه: "نحن ولد عبدالمطلب سادة أهل الجنة..." الحديث.

(۲۳) عنهما، عن الكنز، برقم (۳۳۱۷۲) وذكر أيضًا (أحمد)، وهو عند الحاكم في (المستدرک): ۱۴۷/۳

(۲۴) عنه، أيضًا، عن أبی نعيم فی (الحلية) برقم (۳۳۱۹۷)

(۲۵) عن (مجمع الزوائد) عن (الأوسط) ومنه تضعيف عاصم بن عبيدالله: ۱۶۳/۹

(۲۶) عن المجمع، أيضًا: ۱۶۹/۹
و (الشملة): كساء يشتمل فيه، وما زال اسمه في اليمن حتى اليوم.

(۲۷) عنه، أيضًا، ۱۶۸/۹، وانظر ما وَرَدَ عن أم سَلَمة بهذا الصدد (الكبير): ۵۱-۳۶/۳

(۲۸) بلفظه عن (المجمع): ۱۷۱-۱۷۰/۹ وما بين القوسين للمؤلف عن ابن حجر.

(۲۹) عن المجمع، أيضًا: ۱۷۲/۹
وفی تاريخ بغداد: ۱۳۸/۱ لم يذكر أنه كان يصلی حين الطعنة بل كان راكبًا بغلته، وانظر مقاتل الطالبين.

(۳۰) عن (المجمع) أيضًا: ۱۷۳/۹، وقد أسقط المؤلف بعد "عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْن" العبارة التالية وبما لاعتقاده أنها مُقْحَمة أو مِنْ حَدِيث آخر:
"أنتَ مَعِي وَ شِيعَتُکَ فِي الجنة، ثم قرأ رسول الله ﷺ إخوانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْن."
وعنه أخرجه مختصرًا: كنز العمال: ۱۰۹/۱۲ رقم (۳۳۲۲۵)

(۳۱) عن (المجمع): ۱۷۳/۹

(۳۲) نفسه: ۱۷۳/۹، وهو فی (الكبير) من حديثه: ۳۶/۳ رقم (۲۶۳۳ و ۲۶۳۴ و ۲۶۳۵). وقد أخرجه الحاكم فی (المستدرک): ۱۷۲/۳ وقال: صحيح الإسناد فعقبه الذهبی بقوله: "قلت منقطع" ورواه عبدالرزاق فی مصنفه (۱۰۳۵۳).

(۳۳) نفسه: ۱۷۳/۹، وعن (الكبير) و (أحمد): كنز العمال (۳۳۲۲۳) وأضاف "وصِهْری".

(۳۴) نفسه ۱۷۳/۹-۱۷۴، وهو عِنْدَ (أحمد): عن المسور ۳۳۲/۴

مفسرین کی تصریحات

مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں، یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو اپنی عبا میں داخل کر کے فرمایا:

اللّٰهم هؤلاء اهل بيتي.

ترجمہ: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس سے بعض ”عقلمندوں“ نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی پاک کر دے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا.

کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما، اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں۔ اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان حضرات مذکورین کو عبا میں داخل کر کے دعا فرمائی تو اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی ان میں شامل فرما لیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔ (۵۲)

کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہارے ہی بارے میں ہے اور ان آیات میں اوّل تا آخر تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور ازواج مطہرات ہی ان خطابات کی اوّلین مخاطب ہیں، لہٰذا ان کے لیے اس قسم کے عمل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کا اہل بیت ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ قرار دیا جائے یا اُن کو مستقل اور علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے، اس لیے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی: ”اللّٰهم هؤلاء اهل بيتي. “ الخ۔

تا کہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدۂ نعمت و

کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے۔ اگر اس آیت کا اصل نزول حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہوتا تو آپ ﷺ کو دعا کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عبا میں داخل کر کے دعا کرنا اُن لوگوں کے لیے تھا جن کے لیے اہل بیت ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہو سکتا تھا، اور ازواج مطہرات کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ جس میں کسی قسم کے شبہ کا امکان ہی نہ تھا، اس لیے اُن کو عبا میں داخل کرنے اور ”اللّٰهم هؤلاء اهل بيتي “ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اجنبی تھے، اس لیے ان کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عبا میں کیونکر داخل کیا جا سکتا تھا۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیوں نہیں۔ اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہما کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی کساء میں داخل کر کے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اور جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور اُن کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزہ واقارب بھی اس نعمت و کرامت میں داخل ہو جائیں۔ پس ان کو اس نعمت و کرامت میں شریک کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعائیں فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور اُن کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا۔ اگر یہ آیت ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی، اور آپ ﷺ حصول حاصل کی کیوں دعا فرماتے۔ اور جو بات تھی اُس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے۔ اس لیے آپ ﷺ نے پہلی بار اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا، کیونکہ اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا۔ کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ ﷺ کی بیبیوں کے بارے میں ہوا۔

البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کلا کر جو دعا کی، وہ محض ان کی دلجوئی کے لیے فرمائی، ورنہ آپ ﷺ نے صراحتاً فرمادیا تھا کہ تُو بلا شبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی فضیلت اور کرامت کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور آیت ہذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ اور "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" میں اور "وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" میں بیوت کی نسبت بھی ان ہی کی طرف کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ! علی اور فاطمہ اور حسنین یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی اس خاص رحمت وکرامت اور عنایت میں شریک فرما۔ (۵۳)

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

اوپر کی آیات میں نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا، اس لیے بصیغۂ تانیث خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد وآباء بھی داخل ہیں، اس لیے بصیغۂ مذکر فرمایا "عنکم، ویطھرکم"۔

اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات قرار دیا ہے۔ حضرت عکرمہ ومقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی:

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ. (رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر)

اور سابقہ آیات میں نساء النبی کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ (۵۴)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۰ء) لکھتے ہیں:

یہاں لفظ اہل البیت سے روافض "پنج تن" مراد لیتے ہیں، جو قرآن کے سیاق وسباق کے سراسر خلاف اور لغت وعربیت کی رُو سے قطعاً غلط ہے۔ جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے، اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آرہا ہے۔ ان تمام آیتوں میں جمع مؤنث مخاطب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں، اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغے جمع حاضر کے موجود ہیں، جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں۔

اس لیے لامحالہ یہاں "اہل بیت" سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ اگر اس سے پنج تن مراد لیے جائیں تو نظم قرآن مختل ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس، عکرمہ اور عروہ سے مروی ہے کہ یہاں اہل بیت سے ازواج مطہرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ (۵۵)

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا. (سورۃ الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح پاک وصاف کر دے۔ (۵۶)

علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارک کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی، جیسا کہ آیت کا سیاق وسباق اس کے لیے شاہد عادل ہے۔ جس کے لیے نہ کسی تاویل کی حاجت ہے اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت۔ اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہما کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور اُن کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ. فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا.

ترجمہ: اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی گندگی کو دور فرما اور اُن کو پاک کر۔

جس طرح آیہ "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ" دراصل مسجد قباء کے

بارے میں نازل ہوئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا، کیونکہ وہ بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہے، اسی طرح آیۂ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی، مگر چونکہ آپ ﷺ کی آل واولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا۔ باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں، ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا۔

آیات میں اوّل سے آخر تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں، بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعاً۔ کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھر والوں کے ہیں، اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے، اور لفظ "آل" اصل میں اہل تھا، اس لیے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔ (۵۷)

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع پورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوا ہے اور نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی خطاب تھا، اس لیے بصیغۂ تانیث خطاب فرمایا، مثلاً:

۱۔ قل لازواجک	۲۔ کنتن	۳۔ تردن
۴۔ فتعالین	۵۔ امتعکن	۶۔ اسرحکن
۷۔ ان کنتن	۸۔ تردن	۹۔ منکن
۱۰۔ ینساء النبی	۱۱۔ من یات منکن	۱۲۔ یقنت
۱۳۔ منکن	۱۴۔ تعمل	۱۵۔ نؤتها
۱۶۔ اجرها	۱۷۔ اعتدنالها	۱۸۔ ینساء النبی
۱۹۔ لستن	۲۰۔ ان اتقیتن	۲۱۔ فلاتخضعن
۲۲۔ قلن	۲۳۔ قرن	۲۴۔ فی بیوتکن
۲۵۔ لاتبرجن	۲۶۔ اقمن الصلوٰۃ	۲۷۔ آتین الزکوٰۃ
۲۸۔ اطعن اللّٰہ	۲۹۔ واذکرن	۳۰۔ بیوتکن

تیس خطابات مؤنث کے صیغہ میں ہوئے ہیں اور مذکر صیغے صرف تین ہیں: لیذھب، عنکم، یطھرکم۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔ (۵۸)

محدثین کی تصریحات

چند محدثین کی تصریحات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث التشہد میں "آل محمد" سے مراد آپ ﷺ کے گھرانے والے ہیں۔ اس ضمن میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں: ایک میں کہا گیا ہے: "آل محمد" سے مراد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی اولاد ہے، کیونکہ حدیث کی اکثر روایات میں "آل محمد" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جبکہ حدیث ابی حمید کی روایت میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ "وازواجه وذریة" آیا ہے جس سے "آل محمد" کی تشریح وتوضیح بیان ہوئی ہے کہ "آل محمد" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی ذریت ہے۔

بنا بریں تشہد میں "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ بھی آل میں شامل ہیں۔ اور اسی طرح آپ ﷺ کی اولاد (نسل) بھی اس میں شامل ہے۔ اس طرح ان احادیث میں تطبیق دی جا سکتی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں "آل محمد" سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں: "ماشبع آل محمد من خبز مادوم ثلاثا۔" اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔" اس میں بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔ (۵۹)

محدث شہیر علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

"اھل البیت" وفیه دلیل علی ان نساء النبی صلی اللہ علیه وسلم من اھل بیته. ایضا لانه مسبوق بقوله "یانسآء النبی لستن کاحد من النساء"، و ملحوق بقوله "وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ." (۶۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ "اہل بیت" کا اطلاق چند معنی

میں ہوتا ہے:

(۱) وہ لوگ جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم ہیں۔ اور اُن میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بھی شامل ہیں۔

(۲) اور بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کو "اہل بیت" کہا گیا ہے، جن میں ازواج مطہرات یقینی طور پر شامل ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرتے ہیں، وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور آیت کے سیاق کی مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

کیونکہ اس میں خطاب ہی ازواج کو ہے، آیت سے پہلے اور بعد میں ازواج مخاطب ہیں، لہٰذا درمیان کی آیات سے ان کو کیسے نکالا جا سکتا ہے! چنانچہ امام فخر الدین محمد رازی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو شامل ہے، کیونکہ آیت کا سیاق وسباق پوری شدت سے اس کا متقاضی ہے۔ پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور اُن کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں، یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں، اور ان میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت وتعلق اور خانگی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں۔

(۳) اور کبھی "اہل بیت" کا اطلاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص ہے حضرت فاطمہ زہرا، حضرت علی اور حسنین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لیے، جس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔

وبالجملہ اطلاق اهل بیت بریں چهار تن پاک شائع و مشهور است.

ترجمہ: بلکہ ان ہی چار تن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور ہے۔

لہٰذا علماء کرام ان تمام روایات میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہتے ہیں کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں:

۱۔ بیت نسبت

۲۔ بیت سکنیٰ

۳۔ بیت ولادت

پس بنو ہاشم یعنی عبد المطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت (اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جدّ قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے، فلاں گھرانہ بہت معزز ہے، یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنیٰ کہا جائے گا، جیسا کہ عرفِ عام میں بھی کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت "گھر والی" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا۔ اور اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد پر اہل بیت کا اطلاق کیا جانا چاہیے، لیکن تمام اولاد میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین سلام اللہ علیہم اجمعین کو جو خاص فضل وشرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کمال قرب وتعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل ومناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہوئے، اُس بنا پر اہل بیت ولادت کا خصوصی وامتیازی مصداق صرف یہی چار تن مانے گئے ہیں۔ (۶۱)

سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "انها نزلت فی نساء النبی صلی الله علیه وسلم" تحقیق یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اور ابن جریر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، "بے شک وہ اعلان کرتے تھے بازاروں میں کہ یہ آیت "اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ" آخر تک، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ملاحظہ ہو، سیاق وسباق آیت سے بھی ظاہر ہی ہے، کیونکہ ابتداء سے يٰنِسَاۤءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۤءِ تا وَاَطِعْنَ اللّٰهَ بلکہ وَالْحِكْمَةِ تک ازواج مطہرات سے خطاب ہے۔

یعنی اے عورتِ نبی! تم ایسی نہیں ہو جیسے عام عورتوں سے کوئی عورت ہو، اور اطاعت کرو تم اللہ کی۔ پس خطاب بھی ان کی طرف ہے اور امر ونہی بھی انہی سے واقع ہوتا ہے۔ پس ایک کلام کے درمیان میں کہ ابھی وہ منقطع نہیں ہوا، دوسرے کا حال ذکر کرنا اور دوسرے کی ابتداءً الٹا مخالف

روش بلغاء کے ہے اور کلام اللہ اس سے پاک ہے۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

اور جو کچھ ترمذی اور دیگر صحاح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار آدمیوں کو بھی ایک کمبل میں گھیر لیا اور دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ. فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا.

ترجمہ: اے بار خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں، سو دُور کر ان سے نجاست کو اور پاک کر دے ان کو پاک کرنا۔

اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا حضرت! مجھ کو بھی شریک کر لیجیے۔ فرمایا: "انت علی خیر وانت علی مکانک" صریح دلیل اس بات کی ہے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ان چار آدمیوں کو بھی اپنی دعا سے اس وعدے میں داخل کیا ہے۔

پس اگر ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی، اور حضرت کیوں اس بات کے حصول کی، جو حاصل تھی، دعا کرتے۔ اسی واسطے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہیں کیا کہ ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا۔

اور محقق اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر چند یہ آیت ازواج مطہرات کے خطاب میں ہے لیکن اس سبب سے کہ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب (اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا) سب اہل بیت اس بشارت میں شامل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا چار آدمیوں سے موصوف فرمائی بنظر سبب خاص کے بھی اور یہ بھی کہ قرینے ازواج کی خصوصیت کے سابق اور لاحق عبارت سے معلوم کر کے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ خاص ازواج کے واسطے ہو۔

اسی واسطے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ اس قسم کا معاملہ جو عباس و حسین اور علی و بتول کو لے کر دعا کی ہے، حضرت عباس اور اُن کے لڑکوں کے ساتھ بھی ثابت ہے۔ اور مدعا آپ کا یہی تھا کہ اپنے سب اقربا کو لفظ اہل بیت میں، کہ آیت کریمہ میں ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ خطاب فرمایا، داخل کریں۔ (۶۳)

علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۷۴ء) فرماتے ہیں:

یہ آیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ (۶۳)

قولِ فیصل

فخر المفسرین علامہ عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۵ھ) "قولِ فیصل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں، قولِ فیصل یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور ان حضرات نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرما لیا اور کیوں نہیں، بال بچے اور بہت قریب کے عزیز و اقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ پس اعتقاد صحیح اور محبت خالص یہی ہے کہ ازواج مطہرات اور ان پاکباز لوگوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان کا تہ دل سے ادب کرے، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ، فاطمہ زہراء اور حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی داخل ہیں۔ (۶۴)

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

والذی یظهر من الآیة انها عامة فی جمیع اهل البیت من الازواج وغیرهم. (۶۵)

امام محی السنہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

واراد باهل البیت نساء النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم لانهن فی بیته، وذهب ابو سعید الخدری وجماعة من التابعین منهم مجاهد وقتاده وغیرهما الی انهم علی وفاطمة والحسن والحسین...

قال زید بن ارقم: اهل بیته من حرم الصدقة علیه بعده آل علی و آل جعفر و آل عباس. (۶۶)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اہل بیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مراد ہیں، کیونکہ یہی آپ ﷺ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور ابو سعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت، جن میں مجاہد اور قتادہ وغیرہ شامل ہیں، وہ کہتے ہیں، اہل بیت کا مصداق حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ اہل بیت کا مصداق ہیں، ان میں آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس شامل ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۴ھ) لکھتے ہیں:

وقول عكرمة ومقاتل وابن السائب "ان اهل البيت فى هذه الاية مختص بزوجاته عليه ليس بجيد اذ لو كان كما قالوا لكان التركيب عن كن ويطهر كن."

وقال ابوسعيد الخدرى هو خاص برسول الله صلى الله عليه وسلّم وفاطمه والحسن والحسين.

وروى نحوه عن انس و عائشه و ام سلمة وقال الضحاك هم اهله وازواجه. وقال زيد بن ارقم والثعلبى بنو هاشم الذين يحرمون الصدقة آل عباس و آل على و آل عقيل و آل جعفر و يظهر انهم زوجاته واهله فلا تخرج الزوجات عن اهل البيت بل يظهر انهن احق بهذا الاسم لملازمتهن بيته عليه الصلاة والسلام. (٦٧)

ترجمہ: عکرمہ، مقاتل اور ابن السائب کا قول ہے کہ اس آیت تطہیر میں ''اہل بیت'' کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہیں۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو آیت میں ''عنکم'' اور ''یطهرکم'' کی جگہ ''عنکن'' اور ''یطهرکن'' تانیث کا صیغہ استعمال ہوتا۔

اور ابوسعید واضح فرماتے ہیں، ''اہل بیت'' کا مصداق خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور ایسا ہی حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہے، ازواج مطہرات کو اہل بیت سے نکالا نہیں جا سکتا، بلکہ وہی تو زیادہ حقدار ہیں اس نام کی۔ کیونکہ وہی یعنی ازواج ہی آپ کے گھر میں رہائش پذیر رہی ہیں۔

علامہ عماد الدین اسماعیل بن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن سے

دلالت ہوتی ہے کہ اہل بیت کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم اور دیگر اقربا بھی شامل ہیں۔

حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا، ''ومن اهل بيته يا زيد؟ اليس نساؤه من اهل بيته؟'' اور آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہل بیت کا مصداق نہیں ہیں؟

قال نساؤه من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده. (٦٨)

ترجمہ: کہا کہ ازواج تو اہل بیت ہی ہیں، لیکن وہ لوگ بھی اہل بیت کا مصداق ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔''

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وقيل المراد بآل محمد صلّى الله عليه وسلّم ازواجه وذريته، لان اكثر طرق هذا الحديث جاء بلفظ "وآل محمد" وجاء فى حديث أبى حميد موضعه "وازواجه وذرية فدل على ان المراد بالآل الازواج والذريته"... فالمراد بالآل فى التشهد الازواج ومن حرمت عليهم الصدقة ويدخل فيهم الذرية فبذلك يجمع بين الاحاديث. وقيل: المراد بالآل ذرة فاطمة خاصة. حكاه ابن الرافعة فى الكفاية، وقيل المراد بالآل جميع الامة امة الاجابة. (٦٩)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کی بیویاں اور آپ کی اولاد ہے، کیونکہ حدیث کے اکثر طرق میں لفظ ''آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' آیا ہے اور حدیث ابی حمید میں اس کی جگہ ''وازواجه و ذريته'' آیا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد ازواج اور اولاد ہے۔۔۔۔۔ اور تشہد میں آل سے مراد بیویاں اور وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اس میں اولاد بھی داخل ہے، اس طرح تمام احادیث کی مراد جمع کی جا سکتی ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل سے مراد صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے، جیسا کہ امام نووی نے شرح مہذب میں بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام قریش آل میں شامل

ہیں۔ اسے ابن رافعہ نے الکفایہ میں ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آل سے مراد تمام امت اجابت بھی اس میں شامل ہے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وقد ادخل صلّى الله عليه وسلّم بعض من لم يكن بينه و بينه قرابة سببيه وال نسبية في اهل البيت توسعا وتشبيها كسلمان الفارسی رضی الله تعالى عنه، حيث قال عليه الصلاة والسّلام، "سلمان منا اهل البيت" وجاء فی رواية صحيحة ان واثلة قال: وانا من اهلک يا رسول الله؟ فقال عليه الصلاة والسّلام وانت من اهلی۔ (۷۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض ایسے حضرات کو، جن کے ساتھ کوئی نسبی یا سببی قرابت نہیں تھی، اہل بیت میں شامل فرمایا، جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا، "سلمان منا اهل البيت" سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت واثلہ نے عرض کیا، کیا میں آپ کے اہل میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم میرے اہل میں سے ہو۔

علامہ سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ طویل ونفیس بحث کے بعد فرماتے ہیں:

والذی يظهر لی ان المراد باهل البيت من لهم مزيد علاقة به صلّى الله عليه وسلّم ونسبة قوية اليه عليه الصلاة والسّلام بحيث لايقبح عرفا اجتماعهم وسكناهم معه صلّى الله عليه وسلّم فی بيت واحد ويدخل فی ذلک ازواجه والاربعة أهل الكساء وعلی كرم الله تعالى وجهه مع ماله من القرابه من رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قد نشا فی بيته و حجره عليه الصلاة والسّلام۔ (۷۱)

ترجمہ: اس بحث سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ اہل بیت کا مصداق وہ حضرات ہیں جن کا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تعلق اور نسب کا زیادہ قوی تعلق ہے اور وہ ایمان کی پاکیزگی کے حامل بھی ہیں، اور اُن کی بود و باش اور رہن سہن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

کے ساتھ ایک مکان میں ہو۔ اور اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج مطہرات اور کملی والے چاروں افراد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قرابت کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ ﷺ ہی کے گھر، بلکہ آپ ﷺ ہی کی گود میں ان کی پرورش ہوئی۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی، ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیوی پر ہوتا ہے، اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔ (۷۲)

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں، جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں، کوئی تضاد نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہ مراد ہیں، یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ کیونکہ شانِ نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شانِ نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا محتمل نہیں، اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی ارشاد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عنوان سے خطاب اور ان کے لیے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس کی درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغۂ مذکر عنکم اور یطھرکم فرمانا بھی اس پر شدید قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں، کچھ رجال بھی ہیں۔ (۷۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۲ھ) لکھتے ہیں:

وعلی آل محمد وهم اتباع عند مالک کما تقدم و قال ابن عبدالبر فی الاستذکار قال بعض اهل العلم ان هذا کلام محتمل التاویل تفسیره حدیث ابی حمید و من تابعه، اللّٰهم صلّ علی محمد و علی ازواجه و ذریته لان لفظ الآل محتمل لوجوه، منها الاهل ومنها الاتباع، وان ماأجمله مرة فسره اخری۔ (۷۴)

ترجمہ: اور ”آل محمد“ کا مصداق امام مالک کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی کرنے والے ہیں اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ”استذکار“ میں کہا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک اس کی تفسیر حدیث ابی حمید میں بیان ہوئی ہے۔ آل کا مصداق آپ کی اتباع کرنے والے لوگ ہیں، اس روایت میں ہے، ”اللّٰهم صلّی علی محمد و علی ازواجه و ذریته“۔ لفظ آل میں کئی احتمال پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک اہل ہے اور ایک احتمال اتباع کرنے والے ہیں، گویا کہ ایک لفظ ”آل محمد“ مجمل تھا اور اس کی تفسیر ”و علی ازواجه و ذریته“ سے بیان کر دی ہے۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) مفصل بحث کے اختتام پر بعنوان ”خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام“ رقم طراز ہیں۔ بعونہ تعالیٰ اس تفسیر سے دس باتیں قطعی طور پر واضح ہوگئیں:

۱۔ آیۂ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد الٰہی ازواج مطہرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا امر ہو ہی نہیں سکتا۔

۲۔ محاورہ قرآنی میں کسی کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا اور اگر کسی مقام پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کیے ہوئے مستعمل ہوا ہے تو وہاں بھی اس گھر کے رہنے والے ہی مراد ہیں نہ کوئی اور۔

۳۔ لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت، سوا اُس کی زوجہ کے، کسی کو نہیں کہتے۔

۴۔ مذکر کی ضمیریں، جو آیۂ تطہیر میں ہیں، وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں بن سکتیں کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں، بلکہ کوئی اور مراد ہیں۔

۵۔ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لیے ہر جگہ مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوتی ہیں اور ان میں سے اکثر مقامات میں باتفاق فریقین سوائے عورتوں کے کوئی مراد نہیں۔

۶۔ اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کے لیے وارد ہوا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کے لیے بھی وارد ہوا ہے۔ بلکہ بعض ایسے حضرات کے لیے جو کسی طرح کی قرابت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے، یہی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے، جیسے سلمان فارسی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا، وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے۔

۷۔ اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عباء کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ اہل عبا بھی ہیں اور بالکل اسی طرح دعا بھی ان کے لیے ہے۔

۸۔ محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً ازواج مطہرات ہیں اور حضرت علی و فاطمہ و حسنین و حضرت عباس رضی اللہ عنہم اور اُن کی اولاد بدعائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹۔ ازواج مطہرات کے لیے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طالب نہ تھیں، بلکہ اللہ اور رسول و دار آخرت کی طالب تھیں۔ وہ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں۔ ان سے ابدی طور پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح ممنوع ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے یہ اختیار سلب کر لیا کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں۔ یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰۔ ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ (۷۵)

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں، بلکہ اس لفظ کا اطلاق صرف آپ ﷺ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دو نواسے ہیں، نہ

تو زبان کے لحاظ سے درست ہے، نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ بلکہ ایک خاص فرقہ کے فنکاروں کی سازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت میں عرفِ عام کی حیثیت اختیار کرلی۔ اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبولِ عام حاصل ہوگیا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا، حالت یہ ہوگئی کہ "اہل بیت" کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا، جو قرآن مجید کی رُو سے اس لفظ کی اوّلین مصداق ہیں۔"(۷۶)

آیۂ تطہیر کا مصداق

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا. (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے رجس کو دُور کردیں، اے اہل بیت! اور تمہیں اچھی طرح پاک صاف کردیں۔

آیۂ تطہیر میں "اہل بیت" سے مراد حضرات مفسرین کے نزدیک بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی (م ۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ کا قول ہے کہ اس کا نزول ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کی ابتدا اور سلسلہ بیان کا تعلق ازواج مطہرات کے ساتھ ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ.

بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور ازواج مطہرات دونوں کے بارے میں ہے، کیونکہ لفظ میں ان سب کا احتمال موجود ہے۔(۷۷)

امام محی السنۃ ابی محمد الحسین بن محمود الفراء البغویؒ (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

واراد باهل البيت نساء النبي ﷺ لانهن في بيته وهو رواية سعيد

بن جبير عن ابن عباس. وتلا قوله "وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ". (۷۸)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل البیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے گھر میں تھیں۔ اور ابن عباس نے اس کی دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ.

امام جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وفي هذا دليل بين على ان نساء النبي ﷺ من اهل بيته ثم ذكرهن ان بيوتهن مهابط الوحي وامرهن ان لاينسين مايتلى فيها من الكتاب الجامع بين امرين. (۷۹)

ترجمہ: اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت ہیں۔ پھر اللہ جل شانہٗ نے انہیں یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کا مقام ہیں اور انہیں حکم دیا کہ جو کتاب دنیا وآخرت کی کامیابی کی جامع ہے اور اُن کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے، اُسے فراموش نہ کریں۔

امام ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

"اهل البيت"، تین اقوال پائے جاتے ہیں:

اوّل: انهم نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم لانهن في بيته.

ترجمہ: بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے گھر میں رہتی تھیں۔

سعید بن جبیر نے عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے، اور یہی عکرمہ، ابن السائب اور مقاتل کا قول ہے، اور اس قول کی تائید اس آیت کے ماقبل اور مابعد سے ہوتی ہے، کیونکہ وہ تمام آیات ازواج مطہرات کے متعلق ہیں۔ اس قول پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے پہلے اور بعد کی تمام آیات ازواج مطہرات کے متعلق ہیں تو پھر سب میں ضمیر مونث کی ہونی چاہیے تھی، جبکہ "عنكم" اور "ويطهركم"۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات بھی تو ازواج

مطہرات کے ساتھ اُن کے گھروں میں سکونت پذیر تھے، اس لیے مذکر ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

دوم: یہ آیت خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

سوم: اہل بیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ الضحاک کا یہی قول ہے۔ الزجاج کہتے ہیں، اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور آپ ﷺ کی آل کے مرد حضرات مراد ہیں۔ (۸۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن ابن علی الرازی (م ۶۰۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثم ان اللّٰہ تعالٰی ترک خطاب المؤنثات، وخاطب بخطاب المذکرین. بقولہ (لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ) لیدخل فیہ نساء اہل بیتہ ورجالہم. واختلف الاقوال فی اہل البیت، والاولٰی ان یقال ہم اولادہ وازواجہ، والحسن والحسین منہم، و علی منہم، لانہ کانہ من اہل بیتہ بسبب معاشرتہ بینت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم و ملازمتہ للنبیﷺ. (۸۱)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے مؤنث کا خطاب چھوڑ کر مذکر کا خطاب اختیار فرمایا، جیسا کہ ''عنکم'' ہے، تاکہ اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی عورتوں اور دیگر مردوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اور ''اہل بیت'' کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے بہتر یہ قول ہے، وہ آپ ﷺ کی اولاد اور بیویاں مراد ہیں، اور حسنؓ، حسینؓ بھی ان میں شامل ہیں، اور علیؓ بھی ان میں شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ کی بیٹی کی نسبت سے آپ ﷺ کے گھر میں ہمیشہ رہائش پذیر رہے۔

امام ابوعبداللہ بن احمد القرطبیؒ (م ۶۷۲ھ) رقم طراز ہیں:

وقد اختلف اہل العلم فی اہل البیت، من ہم؟ فقال عطاء و عکرمہ و ابن عباس، ہم زوجاتہ خاصۃ. (۸۲)

ترجمہ: اہل بیت کون ہیں؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء، عکرمہ اور ابن عباس کہتے ہیں، اہل بیت صرف ازواج مطہرات ہیں۔

امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ (م ۷۰۱ھ) لکھتے ہیں:

وفیہ دلیل علی انّ نساءہ من اہل بیتہ. (۸۳)

ترجمہ: اور اس میں دلیل ہے کہ بیویاں اہل بیت سے ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن حیان الشہیر بابی حیان (م ۷۵۴ھ) لکھتے ہیں:

وقول عکرمۃ و مقاتل و ابن السائب ان اہل البیت فی ہذہ الآیۃ بزوجاتہ ویظہر انہم زوجاتہ واہلہ فلا تخرج الزوجات عن اہل البیت، بل یظہر انہن احق بہذا الاسم لملازمتہن بیتہ علیہ الصلاۃ السّلام. وقال عطیۃ، والذی یظہر ان زوجاتہ لایخرجن عن ذلک البتۃ فہل البیت زوجاتہ وبنتہ وبنوہا وزوجہا. وقال الزمخشری، وفی ہذا دلیل علی ان نساء النبی ﷺ من اہل بیتہ. ثم ذکرلہن ان بیوتہن مہابط الوحی، وامرہن ان لاینسین مایتلٰی فیہا من الکتاب الجامع بین امرین. (۸۴)

ترجمہ: عکرمہ، مقاتل اور ابن السائب کہتے ہیں، اس آیت میں اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں ہی آپ ﷺ کی آل تھیں، اس لیے بیویوں کو اہل بیت سے خارج نہ کرو، بلکہ وہی تو اہل بیت کہلانے کی زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت آپ ﷺ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور عطیہ کا قول ہے کہ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج نہ کیا جائے، البتہ آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کی بیٹی اور اُس کے بیٹے اور اُس کے شوہر بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور زمخشری کہتے ہیں، اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی اہل بیت ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں کو مہبط وحی قرار دیا، اور انہیں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں کتاب اللہ سے پڑھا جاتا ہے، اُسے نہ بھولنا۔

امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے اس آیت پر مفصل بحث فرمائی ہے، اور متعدد روایات سے واضح فرمایا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطور نمونہ چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ واخرج ابن ابی حاتم وابن عساکر من طریق عکرمة رضی اللّٰہ عنہ، عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما فی قولہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ." قال: نزلت فی نساء النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم خاصة. وقال عکرمہ رضی اللّٰہ عنہ، من شاء باھلته انھا نزلت فی ازواج النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

۲۔ واخرج ابن جریر وابن مردویہ عن عکرمة رضی اللّٰہ عنہ فی قولہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ" قال لیس بالذی تذھبون الیہ، انما ھو نساء النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم.

۳۔ واخرج ابن سعد عن عروة رضی اللّٰہ عنہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ" قال یعنی ازواج النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم. (۸۵)

علامہ عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں، اس لیے کہ یہ آیت اُن ہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شانِ نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے، گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی، اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عکرمہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خاصۃً نازل ہوئی ہے۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت عکرمہؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں، جو چاہے مجھ سے مباہلہ کرلے، یہ آیت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

طویل بحث کے بعد مولانا موصوف فرماتے ہیں:

جس شخص کو نورِ معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو، وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی بیویاں بلاشک وشبہ داخل ہیں، اس لیے کہ گزشتہ کلام ہی

ان کے متعلق چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ہی فرمایا کہ خدا کی آیتیں اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں، جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے، انہیں یاد رکھو اور اُن پر عمل کرو۔ (۸۶)

علامہ آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

اہل سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں، سیاق وسباق کی آیات اسی پر بحث کرتی ہیں۔ ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی گھر نہیں تھا جس میں آپ ﷺ سکونت اختیار فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت عکرمہؒ تو کہتے تھے، جو چاہے میرے ساتھ مباحثہ کرلے، یہ آیت ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے، بلکہ حضرت عکرمہؒ بازاروں میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ آیت تطہیر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابن سعد حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں۔ (۸۷)

علامہ عبدالحق حقانی دہلوی (م ۱۳۳۵ھ) لکھتے ہیں:

اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں، اور اصطلاح میں، خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے۔ گو گھر میں بیٹا، بیٹی، نواسے، نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر، خادم بھی، اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ یہی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے۔

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ.

اور عرب بولتے ہیں: "کیف اھلک" یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ، گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔

اس لیے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیویاں ہیں۔ ابن عباس وعکرمہ وعطاء، وکلبی ومقاتل وسعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں، میں اس بات پر مباہلہ کرسکتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں، اوّل میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے: "کما قال قل ازواجک" اور یہاں تک ان ہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں ان ہی کی

طرف خطاب ہے، "وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ"۔ اور نیز اس سے مراد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گھر ہے جو حضرت کی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپ ﷺ شب باش ہوتے تھے۔ (۸۸)

حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے اس آیت کی مفصل و مدلل اور انتہائی نفیس تفسیر ارقام فرمائی ہے، جسے مکمل نقل کیا جاتا ہے۔ اس آیت کو آیتِ تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ کے حق میں نازل ہوئی اور آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں۔ اور تطہیر سے تزکیۂ نفس، تہذیب باطن اور تصفیۂ قلب مراد ہے، جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے، جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں، مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہو جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰؓ، فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنینؓ کے بارے میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں، اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی مرتضیٰؓ، فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنینؓ کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا، "اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاۗءِ اَهْلُ بَيْتِيْ. فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا." "اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے رجس، یعنی گندگی اور ناپاکی کو دُور کر دے اور خوب پاک کر دے۔ نیز اس آیت میں لفظ عنکم اور یطهرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اذہاب رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا، یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے، جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب: اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے۔ اوّل یہ کہ لفظ اہل بیت سے

صرف چار اشخاص مراد ہیں: حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ۔ دوم یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنا دینا مراد ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی، شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کا جواب

پہلی بات کے متعلق علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ "اہل بیت" اور لفظ "آل" لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں۔ لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں، یعنی گھر والوں کے ہیں، جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہیں۔ جن میں ازواج اصالۃً داخل ہیں اور اولاد اور ذریت تبعاً داخل ہیں۔ خدمتگاروں، لونڈیوں اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں، اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے، خاص کر سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حجروں اور گھروں میں سوائے آپ ﷺ کی ازواج کے کوئی نہیں رہتا تھا۔ شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نہ نان و نفقہ فرض رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمے واجب رہتا ہے، اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے گھر میں رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے، "تاهل الرجل اذ تزوج، واهلك الله في الجنة اور فلان متاهل اى متزوج."

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالۃً داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ط
اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ یقیناً داخل ہوئیں، کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ ہی کو اہل بیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں۔ شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید کریں

کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ اہل البیت کا اطلاق کیسے کیا، اور پھر تم نے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجہ مطہرہ کو تم نے رحمة الله و بركاته عليكم مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا؟ تم کو چاہیے کہ علیکم کی بجائے علیکن کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور تعجبین کا اصل خطاب حضرت سارہ کو ہے، جو صیغہ مؤنث کا ہے۔ اور اس کے بعد رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت میں اہل بیت کو لفظ مذکر علیکم خطاب کیا۔ اور علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ اظہار محبت و کرامت کے لیے عورتوں کے لیے مذکر کی ضمیریں لانا کلام عرب میں شائع اور ذائع ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

فان شئت حرمت النساء سواكم

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے: "قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا" ورنہ ظاہر کے مطابق "اُمْكُثِيْ يا اُمْكُثْنَ" ہونا چاہیے تھا۔ اس قسم کے مواقع میں صیغۂ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے۔ اور علیٰ ہذا لفظ آل کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں، اس لیے کہ آل کی اصل لغت میں اہل ہے۔ لغت میں آل کا اطلاق اس شخص یا اُن اشخاص پر آتا ہے، جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو، خواہ قرابت قریبہ کی وجہ سے یا کسی خصوصی موالاۃ یا دینی علاقہ کی وجہ سے۔ اہلیہ کو بیوی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا۔

ترجمہ: اے آلِ داؤد! اللہ کا شکر بجالاؤ۔

یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔

وقال تعالیٰ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ. وَسَارَ بِاَهْلِهٖ. فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا۔

اس قسم کی آیت میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے۔ "وقال تعالیٰ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ" یہاں آلِ فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے ہیں۔ "وقال تعالیٰ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ" یعنی موسیٰ کے تابوت کو آلِ فرعون نے اٹھا لیا۔ یہاں آلِ فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے، جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللهم جعل رزق آل محمد قوتا.

ترجمہ: اے اللہ! آل محمد ﷺ کا رزق بقدر قوت لا یموت کردے۔

اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے۔ اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد ﷺ میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

اس دعا سے یہ بھی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا۔ اور پھر ازواج مطہرات سخی بھی تھیں، خصوصاً حضرت زینب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کی سخاوت تو مشہور تھی۔ اور بخیل تو آپ ﷺ کی کوئی بی بی نہ تھی۔ اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تو سخی تھے ہی اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے۔ پس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ قدر قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لیے مکتفی ہو جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کس قدر قانع، تارک الدنیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضور ﷺ کی زوجیت کو دنیا اور مافیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپ ﷺ دوسروں کو بے دریغ عطا فرما رہے ہیں، اسی طرح ہم کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے۔ حضورؐ نے انکار فرما دیا۔ ازواج مطہراتؓ نے اصرار کیا تو اس پر آیت تخییر کا نزول ہوا، جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دنیا کی طالب ہیں تو حضور ﷺ ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں، اور اگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی حالت (فقر و فاقہ) پر راضی رہیں، جس حالت کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔ اور وہ آیت تخییر یہ ہے کہ جس کی مفصل تفسیر گزر چکی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا.

اس آیت تخییر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور پُر نور ﷺ ہی کو اختیار کیا، دنیا کو کسی

بی بی نے بھی اختیار نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ فقر و فاقہ اور تنگی سے رہنا منظور کیا، مگر حضور ﷺ سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی، بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضور ﷺ تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کردیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ازواج مطہرات کے بارے میں اول آیت تخییر نازل ہوئی، پھر جب جب ازواج مطہرات نے اللہ، رسول اللہ ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کرلیا تو ان کے بارے میں دوبارہ آیت تطہیر نازل ہوئی، جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور اس آیت تطہیر میں جو لفظ اہل البیت آیا ہے، اُس سے اصالۃً بلاشبہ وریب قطعاً اور یقیناً ازواج نبی مراد ہیں۔ کیونکہ ان آیات کے سیاق وسباق میں از اول تا آخر صراحتاً ازواج مطہرات ہی کو خطاب ہو رہا ہے۔ اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ سے لے کر وَاَطِعْنَ اللّٰهَ ، بلکہ وَالْحِکْمَةِ تک ازواج مطہرات ہی کے متعلق کلام ہے، اور از اول تا آخر خطاب مؤنث ہی کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ لَسْتُنَّ اور فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تک یہ تمام خطابات بہ ضمائر مؤنث ازواج مطہرات ہی کو ہیں، بلکہ اگر شروع رکوع "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا" سے لے کر "اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا" تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس صیغے اور ضمیریں سب مؤنث کی ہیں جو بلا کسی تردد اور تامل کے صرف ازواج مطہرات کے لیے ہیں اور یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اور قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علی، حضرت حسنین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے دخول اور شمول کا عقلاً و نقلاً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں اظہار محبت و عظمت کی غرض سے مؤنث کے لیے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہوسکتا ہے مگر مذکر کے لیے مؤنث کا صیغہ اور مؤنث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

قال ابن عباس نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال عکرمة من شاء باهلته. (۸۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور عکرمہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے میں اس سے مباہلہ کرسکتا ہوں۔ (۹۰)

عترتِ رسول ﷺ

"عترتِ رسول ﷺ" کے مفہوم میں بھی بے جا دست اندازی کی گئی ہے، جس طرح آلِ رسولؐ اور اہلِ بیتِ رسولؐ کے مفہوم کو محدود کردیا گیا۔ عام طور پر "چارتن" مراد لی جاتی ہے، ان ہی کو ذریت طیبہ اور سادات کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ "عترت" کے معنی میں بیوی، خاندان، قوم، قبیلہ اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔ لغوی اعتبار سے بھی "عترت" کا اطلاق بیوی، اولاد اور تمام قریبی رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

یاایها الناس انی ترکت فیکم من اخذتم به لن تضلوا، کتاب اللّٰه و عترتی اهلبیتی. (۹۱)

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ جو کوئی ان کو مضبوطی سے تھامے گا، کبھی گمراہ نہ ہوگا: کتاب اللہ اور میری عترت، یعنی میرے اہلِ بیت۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بن لن تضلوا بعدی. احدهما اعظم من الاخر. کتاب اللّٰه، حبلٌ ممدودٌ من السماء الی الارض، وعترتی اهلبیتی، ولن یتفرقا حتی یرد علیّ الحوض. (۹۲)

ترجمہ: میں تمہارے اندر چھوڑ رہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہوگے، کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک ان میں سے عظیم تر ہے، وہ تو اللہ کی کتاب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رسی ہے۔ اور دوسری میری عترت بھی میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر وہ میرے پاس آپہنچیں گے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے "عترت" کی تشریح و توضیح خود فرمادی ہے کہ اس سے مراد

میرے ''اہل بیت'' ہیں۔ اور ''اہل بیت'' کا وسیع تر اطلاق ازواج اطہار، بنات طیبات، خاندان نبوت اور ایماندار، متقی، پرہیزگار سب پر ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) ''عترت'' کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

قال التوربشتی "عترة الرجل" اهل بيته و رهطه الادنون. ولاستعمالهم العترة على انحاء كثيرة بينها رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله، اهل بيتي. ليعلم انه اراد بذلك نسله وعصابة الادنين وازواجه. (۹۳)

ترجمہ: توربشتی کہتے ہیں، آدمی کی عترت اس کے گھروالے اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور یہ لفظ وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عترت کی تشریح ''اہل بیت'' سے فرمائی ہے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ عترت میں آدمی کا خاندان، قریبی گروہ اور بیویاں سب شامل ہوتی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وعترت قوم و خویشان و نزدیکان مرد و اهل بیت وے تفسیر کرد آں را بقول خود"..... مراد ایں جا از عترت اخص از قوم و اقرباست که اولاد جد قریب باشد، یعنی اولاد و ذریت وی صلی الله علیه وسلم. (۹۴)

ترجمہ: اور عترت سے مراد آدمی کی قوم اور قریبی رشتہ دار، خویش واقارب ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر خود فرمائی ہے کہ اس سے میرے اہل بیت مراد ہیں..... اور اس جگہ عترت سے مراد بالخصوص قوم، قبیلہ اور رشتہ دار ہیں، کیونکہ دادا کی اولاد ہی قریبی ہوتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ذریت۔

سید محمود آلوسی البغدادی رحمہ اللہ (۱۲۷۰ھ) سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں مذکورہ احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

◎ العترة الرجل. كما في الصحاح. نسله و رهطه الادنون.

◎ وفي النهاية. ان عترة النبي صلى الله عليه وسلم بنو عبدالمطلب، و قيل

اهل بيته الاقربون.

◎ وهم اولاده. وعلي واولاده رضى الله عنهم.

◎ وقيل عترته. الاقربون والا بعدون منهم. والذى رجحه القرطبي. انهم من حرمت عليهم الزكاة. (۹۵)

ترجمہ: آدمی کی عترت، جیسا کہ صحاح میں ہے، اُس کی نسل اور قریبی خاندان ہے۔

◎ اور نہایہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی اولاد اور علی اور اُن کی اولاد ہیں۔

◎ اور کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد قریبی اور دُور کے رشتہ دار ہیں۔ اور قرطبی نے ترجیح دی ہے کہ عترت سے مراد آپ ﷺ کے وہ رشتہ دار ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے جن لوگوں پر صدقات اور زکوٰۃ لینا حرام ہے، وہ قوم قریش، بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث شامل ہیں۔ (۹۶)

علمائے لغت بھی اس پر متفق ہیں کہ ''عترت'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، خاندان، کنبہ، قبیلہ اور اولاد مراد ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات یقینی طور پر آل، خاندان اور کنبہ میں شامل ہیں۔

مشہور لغوی امام علامہ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری رحمہ اللہ (م۷۷ھ) ''عترت'' کی لغوی توضیح اور تحقیق اس طرح بیان کرتے ہیں:

◎ وعترة الرجل. اقرباؤه من ولد وغيره. وقيل هم قومه دنيًا. وقيل: هم رهط وعشيرته الادنون من مضى منهم و من غبر. ومنه قول ابى بكر رضى الله عنه، نحن عترة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

◎ قال ابن الاثير: لانهم من قريش. والعامة تظن انها ولد الرجل خاصة. وانّ عترة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولد فاطمة رضى الله عنها. هذا قول ابن سيده.

- وقال الازھری رحمه الله وفی حدیث زید بن ثابت قال، قال رسول الله صلّی اللّٰه علیه وسلّم انی تارک فیکم الثقلین خلفی. کتاب الله و عترتی. فانهما لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض. وقال، قال محمد ابن اسحاق، وهذا حدیث صحیح.
- وفی بعضها، انی تارک فیکم الثقلین، کتاب الله، وعترتی اهل بیتی. فجعل العترة اهل البیت.
- وقال ابوعبید وغیره، عترة الرجل واسرتهٗ وفصیلتهٗ رهطه الادنون..... ابن الاثیر، عترة الرجل اخصُّ اقاربه. وقال ابن الاعرابی، العترة ولد الرجل وذریتهٗ عقبه من صلبه.
- قال فعترة النبی صلّی الله علیه وسلّم، ولدُ فاطمة البتول علیها السّلام.
- وروی عن ابی سعید قال، العترة ساق الشجرة.
- قال و عترة النبی صلّی الله علیه وسلّم عبدالمطلب وولده. وقیل، عترته اهل بیته الاقربون، وهم اولاد و علی، و اولاده. وقیل، عترته الاقربون والا بعدون منهم.
- وقیل، عترة الرجل اقرباؤه من ولد عمه دِنیًا. ومنه حدیث ابی بکر رضی اللّٰه عنه، قال للنبی صلّی الله علیه وسلّم حین شاوَرَ اصحابه فی اساریٰ بدر، عترتک و قومک. اراد بعترته العباس، و من کان فیهم من بنی هاشم، و بقومه قریشًا.
- والمشهور المعروف ان عترة اهل بیته، وهم الذین حُرّمت علیهم الزکاة والصدقة المفروضة، وهم ذو القربی الذین لهم خمسُ الخمس المذکور فی سوره الانفال. (۹۷)

ترجمہ: کسی آدمی کی عترت سے مراد اُس کے رشتہ دار، قوم، کنبہ، اولاد اور خاندان ہے، جیسا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''ہم عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

- ابن اثیر کہتے ہیں، کیونکہ ابوبکر بھی قریشی تھے، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عترت سے

مراد صرف اولاد ہے، اور یہ کہ عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے، یہ قول ابن سیدہ کا ہے۔

- زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں۔ اور کہا کہ محمد ابن اسحاق نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔
- بعض روایات کے الفاظ اس طرح بھی ہیں، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت، یعنی میرے اہلِ بیت۔ آپ ﷺ نے عترت کی تفسیر میں فرمایا، میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔
- اور ابوعبیدہ وغیرہ نے کہا، کسی آدمی کی عترت اس کے قریبی رشتہ دار اور کنبہ ہوتے ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں، آدمی کی عترت خاص کر اُس کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اور ابن عربی کہتے ہیں، آدمی کی اولاد اور اُس کی صلب سے پیدا ہونے والے عترت کہلاتے ہیں۔
- اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت سے مراد حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی اولاد ہیں۔ اور ابوسعید سے روایت ہے کہ عترت سے مراد درخت کا تنا ہے۔
- اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد عبدالمطلب اور اُن کی اولاد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی اولاد اور علی اور اُن کی اولاد ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عترت سے مراد قریب اور دُور کے رشتہ دار ہیں۔
- اور کہا جاتا ہے کہ آدمی کی عترت اس کے چچا کی اولاد ہوتی ہے، جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ان میں آپ ﷺ کی عترت اور آپ ﷺ کی قوم کے لوگ ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے عترت سے حضرت عباس، بنو ہاشم اور قوم قریش کے دیگر افراد مراد لیے تھے۔
- اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ عترت رسول ﷺ سے مراد آپ ﷺ کے وہ اہل بیت ہیں جن

پر صدقہ اور زکوٰۃ واجبہ حرام ہے، اور وہ ذوی القربیٰ ہیں (یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب)، جن کے لیے سورۃ انفال میں خُمس الخُمس مذکور ہے۔

مشہور لغوی امام محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (م ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

العترۃ. نسلُ الرجل، ورهطهُ وعشيرته الادنون. (۹۸)

ترجمہ: عترت سے مراد آدمی کا خاندان اور قریبی رشتہ دار ہیں۔

مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی مدظلہٗ لکھتے ہیں:

''العترۃ: بڑا کنبہ جس سے بہت سے قبیلے نکلتے ہوں۔ قبیلہ ایک باپ دادا کی اولاد کو کہتے ہیں۔ یہ عترۃ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ آدمی کی نسل، اولاد، چھوٹا کنبہ، ایک باپ کی قریبی اولاد۔'' (۹۹)

محمد غیاث الدین بن جلال الدین لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عترت، خویشاں ونزدیکاں وفرزندان، از منتخب ومدار ومؤید۔'' (۱۰۰)

ترجمہ: عترت، رشتہ دار، قریبی رشتہ والے، اولاد اور معاون ومددگار لوگ۔''

نواب قطب الدین الدہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۸۹ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''عترت سے مراد آپ ﷺ کی اولاد ہے۔ اور اہل بیت سے مراد آپ ﷺ کے قرابت دار اور جدّ قریب کی اولاد بھی ہے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی۔ رضوان اللہ علیہم۔'' (۱۰۱)

ان تفصیلات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ''عترتِ رسولؐ'' اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے قوم قریش، بنو ہاشم، بنو مطلب، آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث، سب پر محیط ہے۔ یہ چار کے عدد میں محدود نہیں اور نہ ہی ''چار'' ہی کی تصریح قرآن، حدیث، لغت اور تاریخ کے دامنِ تابدار میں کہیں دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح اہل بیت کے مصداق میں بعض لوگوں نے تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح ''عترتِ رسولؐ'' کے مصداق میں بھی سرقہ کی جسارت کی ہے۔ اب یہ لوگ براہین و دلائل کے آفتاب عالمتاب کے سامنے سراسیما نظر آتے ہیں۔

آلِ بیت نسبی

اهـل بيتـه مـن حـرم الـصـدقة بـعـدهٗ

آل عـلـی، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل عباس

(مسلم، ج ۲، ص ۳۷۹)

اقسامِ آل

قرآن، حدیث اور لغتِ عرب کی رُو سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ لفظ ''آل'' ایک کثیر المعنی لفظ ہے، اور اس کا اطلاق حسب ذیل شخصیات پر ہوتا ہے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی اپنی شخصیت

۲۔ اوّلین مصداق ازواج مطہرات

۳۔ اولاد اور ذریت طیبہ

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہلِ ایمان قرابت دار

۵۔ جنہیں علم و معرفت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔

۶۔ شریعتِ اسلامیہ کے کماحقہٗ پابند

۷۔ ہاشم اور مطلب کی ساری اولاد، جن پر صدقات حرام ہیں۔

۸۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے آزاد کردہ غلام

۹۔ قوم اور وارث

۱۰۔ آپ ﷺ کے اتباع و انصار، امتِ مسلم، فرزندانِ توحید

زیرِ بحث آلِ محمد کی تین اقسام قرار پائی ہیں:

۱۔ آلِ بیت نسبی

۲۔ آلِ بیت سکنی

۳۔ آلِ بیت ولادت

آلِ نبی

عبدالمطلب بن ہاشم

عبدالمطلب بن ہاشم کے گیارہ بیٹے تھے:

۱۔ حارث	۲۔ زبیر	۳۔ ابوطالب
۴۔ حمزہ	۵۔ عباس	۶۔ مقوم
۷۔ عبداللہ	۸۔ ضرار	۹۔ حجل، مغیرہ
۱۰۔ عبدالعزیٰ	۱۱۔ عبدالکعبہ (۱)	

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

۱۔ عاتکہ	۲۔ صفیہ	۳۔ اروی
۴۔ امیمہ	۵۔ برہ	۶۔ بیضاء (۲)

مسلمان چچا

۱۔ عباسؓ ۲۔ حمزہؓ

حارث بن عبدالمطلب

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، اور ان ہی کے نام سے عبدالمطلب کی کنیت ''ابوالحارث'' تھی۔

حارث بن عبدالمطلب کے چار بیٹے تھے: نوفل، عبداللہ، ربیعہ اور ابوسفیان مغیرہ۔

چاروں اسلام اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔

۱۔ نوفل

جنگِ بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا، فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لیے کوئی چیز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جدّہ والے نیزے فدیہ میں دے دو۔ اس کے جواب میں انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ایک ہزار نیزے فدیہ میں پیش کر دیے۔ اسلام کے بعد مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور غزوۂ خندق یا فتحِ مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۲۵ھ میں وفات پائی۔ امیر المومنینؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہوئے۔ متعدد بیٹے اور بیٹیاں چھوڑیں۔ (۳)

۲۔ عبداللہ

عبداللہ بن حارث فتحِ مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا نام عبدالشمس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ نام رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ (۴)

۳۔ ربیعہ

اپنے چچا عباس سے دو سال بڑے تھے۔ جنگِ احزاب کے موقع پر حضرت عباسؓ وغیرہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ابواء کے مقام پر پہنچ کر واپس مکہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ نوفل نے کہا، اُس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے اور اُن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے اور اُن کے صحابہ کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے، ہمارے ساتھ چلے چلو۔ بہر حال یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

ان کا ایک بچہ شیرخوارگی کے عالم میں دشمنوں نے قتل کر دیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

واوّل دمٍ أضعُه دم ابن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب.

ترجمہ: خون کا پہلا مطالبہ جسے میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن

عبدالمطلب کا مطالبہ ہے۔ (۵)

خلافتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ میں ۲۳ھ کو وفات ہوئی۔

۴۔ ابوسفیان

ان کا نام مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچیرا بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھا۔ انہوں نے بھی سیدہ حلیمہ سعیدہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور صحابی ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی۔ ثابت قدم رہے، ایک لمحہ کے لیے بھی رکابِ نبویؐ سے الگ نہیں ہوئے۔

حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں وفات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا تھا، ابوسفیان اخی و خیر اهلی۔ (۶)

سیّد الشہداء سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

نام حمزہ، ابویعلیٰ اور ابوعمارہ کنیت، اسد اللہ لقب تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی باندی ثوبیہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ سن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے۔ (۷)

سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ۶ نبوی میں اسلام قبول کیا۔ (۸)

شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی بچپن ہی سے شوق تھا۔ غزوہ بدر میں شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ کفار کے بڑے بڑے سورماؤں کو خاک و خون میں تڑپایا۔ غزوہ احد میں بھی بے جگری سے لڑے۔ کفر کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ آخر جامِ شہادت نوش کر لیا، اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے "سیّد الشہداء" کا خطاب ملا۔

شہادت

جنگِ بدر میں کفار کے نامی گرامی سردار سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصلِ جہنم

ہوئے تھے، اس لیے تمام قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے۔ چنانچہ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام "وحشی" کو کہا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔ "وحشی" احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ جب حضرت حمزہؓ قریب سے گزرے تو اس نے اچانک حملہ کر دیا، جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اس شیرِ خدا کی شہادت پر قریش کی عورتوں نے خوشی و مسرّت کے ترانے گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک، کان کٹ کر ہار بنایا۔ شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبایا، پھر تھوک دیا۔ (۹)

جب سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمِ محترم کی لاش پر تشریف لائے، انتہائی کربناک منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا۔ مخاطب ہو کر فرمایا: "تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم رشتہ داروں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہؓ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح بے گور و کفن چھوڑ دیتا۔ درندے اور پرندے کھا جاتے اور تم قیامت کے دن اُن کے شکم سے اٹھائے جاتے۔ بخدا! مجھ پر تمہارا انتقام لازم ہے۔ میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا۔"

لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحیِ الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی۔ اس لیے قسم کا کفارہ ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ بھائی کی شہادت کا حال سن کر دو چادریں کفن کی لے آئیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں ایک انصاری صحابی کی لاش بھی بے گور و کفن دیکھی، اس لیے ان دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چادر سے سر اور چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔ غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سیّد الشہداء کا جنازہ تیار ہوا۔ (۱۰)

اولاد

سیّد الشہداء سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاں دو فرزند (عمارہ، یعلیٰ) اور دو بیٹیاں (ام فضل اور امامہ) پیدا ہوئیں۔

یعلیٰ ہی سے آپ کی کنیت ابویعلیٰ تھی۔ عمارہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام بھی حمزہ

رکھا گیا۔ اور یعلی بن حمزہ کے پانچ لڑکے تولد ہوئے، مگر اُن کی نسل آگے نہ چل سکی۔ اُن کے نام یہ تھے؛ عمارہ، فضل، زبیر، عقیل اور محمد۔ تمام بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ اس طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا۔

آپ کی بیٹی امامہ نے فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے تو آپ کو بھائی کہہ کر مخاطب کیا۔ حضرت حمزہؓ کے رشتہ داروں میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے ان کی پرورش کے متعلق بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ لیکن آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا، کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس امامہ کی حقیقی خالہ تھیں۔

بعدازاں امامہ کا نکاح ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔ (۱۱)

ابولہب بن عبدالمطلب

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ اس کے حسین وجمیل ہونے کی وجہ سے باپ نے اسے ابولہب کہا اور پھر اسی نام سے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ عارضۂ طاعون میں ہلاک ہوا۔

اس کے تین بیٹے تھے؛ عتبہ، عتیبہ، مُعتّب۔ اور ایک بیٹی دُرّہ تھی۔

عتبہ اور معتب فتح مکہ کے دن فرار ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو انہیں لانے کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں حاضرِ خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوہ حنین اور طائف میں شرکت کی اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔ (۱۲)

دُرّہ بھی نورِ ایمان سے منور ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں۔ حارث بن نوفل بن حارث سے عقد ہوا۔ عتبہ اور ولید دو بیٹے پیدا ہوئے۔ (۱۳)

سیّدنا عباس بن عبدالمطلب

عباس نام، ابوالفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نُتیلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ (۱۴)

زمانہ جاہلیت میں قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے۔ بیت اللہ کا اہتمام وانصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا منصب انہیں اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔ (۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے میں بظاہر تاخیر سے کام لیا، لیکن دل سے اس تحریک کے حامی تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر بھی موجود تھے۔

غزوۂ بدر میں مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر اُن کے ساتھ معرکہ میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ حال سے آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ اثنائے جنگ میں عباس اور دیگر بنی ہاشم کو قتل نہ کرنا۔ (۱۶) دیگر قیدیوں کے ہمراہ گرفتار ہوئے۔ حضرت عباس کی مشکیں اس قدر کسی ہوئی تھیں کہ دردناک آواز سے کراہ رہے تھے۔ ان کی کربناک آواز نے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اُچاٹ کر دی۔ صحابہ کرام کو معلوم ہوا تو اُن کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ (۱۷)

قید سے رہائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا۔ چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ ماجدہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تھیں، اس لیے انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا؛ عباس ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا کر گوارا نہیں فرمایا، اور دولت مند ہونے کی وجہ سے ان سے معقول رقم طلب فرمائی۔ (۱۸)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کیا، اور کہا کہ میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، لیکن قوم نے مجھے جبراً جنگ میں شریک کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دل کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر آپ کا دعویٰ سچا ہے تو اللہ تعالیٰ اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔ ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس، بہت بڑی رقم رکھ آئے ہو۔

حضرت عباسؓ کو سن کر سخت تعجب ہوا، اور کہنے لگے، خدا کی قسم! مکہ والی رقم میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر انہوں نے اپنا اور

اپنے بھتیجے عقیل اور نوفل بن حارث کا فدیہ بیس اوقیہ سونا (ایک اوقیہ کا وزن ساڑھے دس تولہ بنتا ہے) ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ (۱۹)

تاخیرِ اسلام اور قیامِ مکہ

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہنا اور دائرۂ اسلام میں علانیہ داخل نہ ہونا ایک مصلحت پر مبنی تھا، کہ وہ کفارِ مکہ کی نقل و حرکت اور اُن کے رازہائے سربستہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے۔ علاوہ ازیں اس سرزمینِ کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے، اُن کے لیے ملجا و ماویٰ تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی حضرت عباسؓ نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور فرمایا، "آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے، اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔" (۲۰)

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

بارگاہِ نبوت میں اعزاز

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمِ محترم کی بیحد تعظیم و توقیر فرماتے تھے۔ اُن کی معمولی سی تکلیف سے بھی آپ ﷺ پریشان ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب بھی باہم ملتے ہیں تو اُن کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لایدخل قلب رجل الایمان، حتی یُحِبَّکم للّٰہ ولرسولہ.

ثم قال ایھا الناس من اذی عمی فقد آذانی، فانما عمّ الرجل صِنوُا ابیہ. (۲۱)

ترجمہ: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جو شخص اللہ اور رسول کے

لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا، اس کے دل میں نورِ ایمان نہیں ہوگا۔

لوگو! جو شخص میرے چچا کو ستائے گا، وہ مجھے ستائے گا، اس لیے کہ چچا باپ کے مانند ہوتا ہے۔

ایک انصاری نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے باپ کے متعلق کوئی نازیبا بات کہہ دی تو عباسؓ نے اسے چانٹا مار دیا۔ اس کی قوم نے قسم کھالی کہ ہم عباس سے بدلہ لیں گے۔ اور وہ لوگ تلواریں لے کر نکل آئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

ایھا الناس، ای اھل الارض اکرم علی اللّٰہ.

ترجمہ: لوگو! اے زمین پر بسنے والو! اللہ کی طرف سے تم پر میری عزت کرنا لازم ہے۔

لوگوں نے کہا، کیا آپ یارسول اللہ؟

آپ ﷺ نے فرمایا، فان العباس منی و انا منہ. لاتسبوا امواتنا فتوذی احیاءنا.

ترجمہ: بے شک عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔ تم مُردوں کو بُرا نہ کہو، اس سے زندوں کو اذیت پہنچے گی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وان عم الرجل صِنوُا ابیہ. من آذی العباس فقد آذانی. (۲۲)

ترجمہ: چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جو شخص عباس کو تکلیف دے گا، اُس نے مجھے اذیت دی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ انہوں نے حسبِ قاعدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم طلب کی۔ انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا۔ جب اس بات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

واما العباس فھی علیّ ومثلھا معھا. ثم قال: یاعُمَرُ! اَمَا شَعَرْتَ انّ عمّ الرجل صِنوُ ابیہ. (۲۳)

ترجمہ: اے عباسؓ! ان کی زکوٰۃ اور اُس کا دوگنا میرے ذمہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اے عمرؓ! کیا تم نہیں جانتے کہ چچا باپ کے برابر ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، پیر کے روز صبح کے وقت میرے پاس آنا، تاکہ میں تمہارے لیے دعا کروں، جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع دے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کے ساتھ پیر کے دن صبح کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اپنی چادر ڈال دی اور یوں دعا فرمائی:

اللّٰھم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة. لاتغادر ذنبًا.
اللّٰھم احفظه فی ولده هذا. (۲۴)

ترجمہ: اے اللہ! عباس کو اور اُس کی اولاد کو بخش دے۔ ظاہر اور باطن دونوں حالتوں میں ان کو پاک کر دے اور ان کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ باقی نہ رہے، اور ان کی اولاد کی حفاظت فرما۔

اولاد

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی متعدد بیویاں تھیں، جن سے کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں:
فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن، معبد، الحارث، کثیر، عون۔ (۲۵)
تمام، صفیہ، امیمہ، ام حبیبہ۔ (۲۶)

اخلاق

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ عباس عمِ رسول ہیں۔ یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا بہت خیال رکھنے والے ہیں۔" (۲۷)

وفات

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں رجب یا رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک رہگزینِ عالم جاوداں ہوئے۔ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی

اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتار کر سپردِ خاک کیا، اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔ (۲۸)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

نام فضل، کنیت ابو محمد، ہمرکابِ رسول لقب، سلسلۂ نسب فضل بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم، والدہ کا نام "لبابہ" تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان ہی کے نام سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی "ابوالفضل" کنیت تھی۔ یہ سب سے بڑے بیٹے تھے۔ (۲۹)

غزوہ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن مشرکین کے خوف کی وجہ سے اعلان نہیں کیا۔ فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباسؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوہ فتح مکہ میں شمولیت کی، بعد ازاں حنین کے معرکہ میں بھی شامل ہوئے اور غیر معمولی جاں فروشی دکھائی۔

حجۃ الوداع میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ ﷺ کی سواری پر رونق افروز تھے۔ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "ہمرکابِ رسول" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ (۳۰)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ جو حضرات غسل دینے میں شریک تھے، اُن میں فضل بھی شامل تھے۔ یہ پانی ڈال رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہلاتے تھے۔ (۳۱)

عارضۂ طاعون میں وفات ہوئی۔ ان سے ۲۴ احادیث مروی ہیں۔

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

نام عبیداللہ، کنیت ابو محمد، والد کا نام عباس بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے "اجود الناس" مشہور تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں یمن کا حاکم بنایا تھا۔ امیر الحجاج کے فرائض بھی انجام دیے۔

اپنے والد گرامی قدر اور بھائیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی ہجرت کی تھی۔ ان کے بھائی عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے علم میں وسعت عطا فرمائی اور انہیں (عبیداللہ کو) لوگوں کو کھانا کھلانے میں

وسعت عنایت فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (۳۲)

قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے "قثم" ہاشمی قریشی ہیں۔ والدہ کا نام ام الفضل لبابہ بنت الحارث ہے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت عباسؓ کے بیٹے عبداللہ اور قثم اکٹھے کھیل رہے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھالیا اور قثم کو اپنے پیچھے، اور عبیداللہ، جو اپنے باپ کو قثم سے بھی زیادہ محبوب تھے، چھوڑ دیا۔ (۳۳)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔ سعید بن عثمان بن عفان کے ہمراہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سمرقند کے جہاد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش جان فرمایا۔ (۳۴)

عبداللہ بن عباسؓ

عبداللہ نام، ابوالعباس کنیت، والد کا نام عباس اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہرزادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ اُم الفضل، سیدہ میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین یا پانچ سال پہلے مکہ مکرمہ کی اُس گھاٹی یعنی شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے، جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اُن کو بارگاہ نبوت میں لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ (۳۵)

فتح مکہ کے بعد اپنے والد گرامی قدر کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

لیکن اپنے والد کے حکم سے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن انہوں نے گھر واپس آ کر بتایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کو دیکھا جسے میں نہیں جانتا ہوں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو بُلا کر فرطِ محبت سے اپنے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ مبارک پھیر کر دعا فرمائی، اللّٰھم علمہ الکتاب۔ (۳۶)

عہدِ طفولیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطرتاً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا، وہ درحقیقت ان کا عہدِ طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے۔ عبداللہ خود بیان کرتے ہیں:

میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے گھر کے دروازے میں چھپ گیا۔ لیکن آپ ﷺ نے مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، جاؤ معاویہ کو بُلا لاؤ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ میں دوڑ کر اُن کے پاس گیا اور کہا، "چلیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرما رہے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔" (۳۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اُس عہدِ مبارک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے۔ ان کی ذات ایک زندہ کتب خانہ تھی، جس میں تمام علوم ومعارف بہ ترتیب جمع تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔

قرآنی علوم میں علم النسخ کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس بحرِ زخار کے بھی شناور تھے۔ تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے۔ اور یہ سب کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور دعا دی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ، وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ. (۳۸)

ترجمہ: اے اللہ! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔

ایک روایت میں ہے:

نعم ترجمان القرآن انت. (۳۹)

ترجمہ: آپ کتنے اچھے ترجمان قرآن ہیں۔

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهم علمه الحكمة. (۴۰)

اے اللہ! اسے دانائی اور حکمت سکھا۔

اللّٰهم بارک فيه، وانشر منه، واجعله من عبادک الصالحين. (۴۱)

ترجمہ: اے اللہ! اسے برکت عطا فرما۔ اسے دین کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنا اور اسے اپنے نیک صالح بندوں میں سے کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی:

اللّٰهم زده علمًا وفقهًا. (۴۲)

ترجمہ: اے اللہ! اسے علم اور فقاہت میں زیادہ کر دے۔

ایک روایت میں ہے:

اللّٰهم احش جوفه حكمًا وعلمًا. (۴۳)

وفات

۶۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا۔ چند روزہ علالت کے بعد طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ محمد بن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سپردِ خاک کر کے کہا:

"خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اُٹھ گیا۔"

وصال کے وقت عمر ستر سال تھی، اور طائف میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ (۴۴)

اولاد

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد امجاد حسب ذیل تھی:

عباس، علی، فضل، محمد، عبیداللہ، لُبابہ اور اسماء۔

ابوطالب بن عبدالمطلب

آپ کا نام عبد مناف بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے، لیکن "ابوطالب" کنیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۳۵ سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے وصال کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی وصیت کی تھی، (۴۵) اسی بنا پر ابوطالب مدۃ العمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کرتے رہے اور مشکل مراحل میں ان کا تعاون آپ ﷺ کے ساتھ رہا۔ اور قریشِ مکہ کے مظالم کے مواقع میں بھی آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کرتے رہے اور قوم کی ایذاء رسانی کی صورت میں آپ مدافعت بھی کرتے۔

ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف سیدنا علی المرتضیٰ کی والدہ مکرمہ اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ ابوعمرو کا بیان ہے، وہ ہاشمی خاندان کی پہلی خاتون ہیں جن کے بطن سے ایک ہاشمی پیدا ہوا۔ یعنی ہاشمی خاتون کا بیٹا سیدنا علی پہلے ہاشمی خلیفہ تھے۔ (۴۶)

فاطمہ بنت اسد اسلام سے مشرف ہوئیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ جب ان کا وصال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کُرتا اُن کے کفن میں عطا فرمایا۔ ان کی قبر میں پہلے خود اندر جا کر لیٹے، یہ اُن کی خدمات اور شفقت کا اعتراف اور اُن کی عزت و تعظیم کا اظہار تھا۔ (۴۷)

مولانا محمد نافع مدظلہ لکھتے ہیں:

"بعض لوگ مسئلہ کفالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجاوز کرتے ہوئے اس بات پر مُصر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل ابوطالب نہیں تھے بلکہ زبیر بن عبدالمطلب تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ لے رکھا تھا۔ مگر یہ مسئلہ تحقیق کے مطابق نہیں اور علماء کرام نے زبیر بن عبدالمطلب کے کفیل ہونے کی بجائے ابوطالب کی کفالت کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس مسئلہ میں مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ انساب الاشراف للبلاذری، ج ۱، ص ۸۵، تحت بحث کفالت

۲۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۴-۱۳۵، تحت باب وفات عبدالمطلب

۳۔ تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۲۵۳، تحت کفالت ابی طالب لرسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم،، (۴۸)

امام ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) نے سیرت النبویہ، ص ۲۱۶، تحت کفالۃ ابی طالب لرسول اللہ؛ امام محمد بن سعد بن منیع الزہری (م ۲۳۰ھ) نے طبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۵۶، تحت وفاۃ عبدالمطلب؛ امام ابن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۲۸۲؛ علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے الاصابہ، ج ۴، ص ۱۱۵ میں بھی ابوطالب ہی کی کفالت کا ذکر کیا ہے۔

ابوطالب کے ایمان کے متعلق جمہور علمائے مفسرین، محدثین، فقہا، اہل سیر اور اہل تاریخ یہی لکھتے ہیں کہ وہ ملتِ عبدالمطلب پر فوت ہوئے اور ایمان نہیں لائے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی:

اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ. (سورۃ القصص:۵۶)

ترجمہ: آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اور لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو ہدایت حاصل کریں گے۔

(۱) امام محی السنۃ ابی محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

نزلت فی ابی طالب۔ (۴۹)

(۲) امام جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (۵۰)

(۳) امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

قال الزّجاج: اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب. (۵۱)

(۴) امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن ابن علی الرازی (م ۶۰۴ھ) لکھتے ہیں:

قال الزجاج: اجمع المسلمون علی انها نزلت فی ابی طالب. (۵۲)

(۵) امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی (م ۶۷۱ھ) رقم طراز ہیں:

قلت: والصواب ان یقال اجمع جل المفسرین علی انها نزلت فی شان ابی طالب عم النبی صلّی اللہ علیه وسلّم، وهو نص فی حدیث البخاری و مسلم. (۵۳)

(۶) امام الجلیل عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۱۰ھ) نے بھی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ (۵۴)

(۷) امام محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الشہیر بابی حیان (م ۷۵۴ھ) نے بھی اس آیت کو ابوطالب کے متعلق قرار دیا ہے۔ (۵۵)

علامہ عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) رقم طراز ہیں:

وقد ثبت فی الصحیحین انها نزلت فی ابی طالب عم رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم. وقد کان یحوطه و ینصره، ویقوم فی صفه، ویحبه حبًا شدیدًا طبعیًا لاشرعیًا. فلما حضرته الوفاة وحان اجله. دعاه رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم الی الایمان والدخول فی الاسلام. فسبق القدر فیه. واختطف منا یده فاستمر علی ماکان علیه من الکفر. وللّٰه الحکمة التامة. (۵۶)

ترجمہ: صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا ابوطالب کے بارے میں اتری ہے، جو آپ ﷺ کا بہت طرفدار تھا۔ اور ہر موقعہ پر آپ ﷺ کی مدد کرتا تھا۔ اور آپ ﷺ کا ساتھ دیتا تھا۔ اور دل سے محبت کرتا تھا۔ لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعی تھی، شرعانہ تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضورؐ نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ لیکن تقدیر کا لکھا اور خدا کا چاہا غالب آیا، یہ ہاتھوں میں سے پھسل گیا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ (ترجمہ از تفسیر ابن کثیر اردو، ج ۴، ص ۳۵، سورۃ قصص)

(۹) امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

،،مسلم، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، بخاری، نسائی وغیرہ نے اس آیت کا شانِ نزول ابوطالب کے حق میں بیان کیا ہے۔،، (۵۷)

(۱۰) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم الخازن نے بھی تفسیر خازن، ج ۳، ص ۲۳۶ میں اس آیت کو ابوطالب کے متعلق بیان کیا ہے۔

تقریباً تمام مفسرین اسی تفسیر پر متفق ہیں، کسی نے اس سے اعراض نہیں کیا۔ البتہ سورۃ توبہ کی آیت ۱۱۳ کے متعلق تمام مفسرین نے "ابوطالب" بھی مراد لی ہے، اور کئی دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ.

امام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۰۱ھ) نے متعدد روایات نقل کی ہیں، جن میں سے بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ (۵۸)

ابوطالب کی وفات کا جب وقت قریب آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت وہاں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، چچا! ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، تاکہ میں اللہ کی بارگاہ میں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔

اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے، ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اُن کے سامنے دینِ اسلام پیش کرتے رہے۔ ابوجہل اور ابن ابی امیہ بھی اپنی بات دہراتے رہے۔ ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں آپ کے لیے طلب مغفرت کرتا رہوں گا، تاآنکہ مجھے منع کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ. (سورۃ التوبہ: ۱۱۳) (۵۹)

اولاد

ابوطالب کے چار فرزند تھے؛ طالب، عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے تھے۔

مورخین نے اس مقام پر ایک تاریخی اعجوبہ ذکر کیا ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی ولادت کے درمیان دس دس برس کا وقفہ ہے، یعنی چاروں بھائی ایک دوسرے سے دس دس برس بعد پیدا ہوئے۔ (۶۰)

ابوطالب کی دو بیٹیاں تھیں؛ ام ہانی اور جمانہ۔

ابوطالب کی یہ ساری اولاد فاطمہ بنت اسد سے پیدا ہوئی تھی۔ (۶۱)

طالب

طالب بن ابی طالب اپنے برادران میں سب سے بڑے تھے۔ وہ غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شامل تھے۔ ان کی موت کفر پہ ہوئی۔ (۶۲)

عقیل

عقیل بن ابوطالب باقی تین بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کی کنیت ابویزید تھی۔

عقیل غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ یہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت عباسؓ نے ان کا زرفدیہ ادا کر کے خلاصی کرائی تھی۔ (۶۳)

صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے تھے۔ (۶۴)

عقیل رضی اللہ عنہ انساب قریش اور احوال قریش کے بہت زیادہ ماہر تھے۔ مکالمات میں بڑے حاضر جواب تھے۔ لوگ ان سے مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ (۶۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض دفعہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن قیام پذیر رہتے۔ سیدنا معاویہؓ بھی ان کی بڑی قدردانی فرماتے اور عزت افزائی کرتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پچاس ہزار درہم عطا فرمائے تھے تاکہ یہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ (۶۶)

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخر میں، یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔ (۶۷)

جعفر الطیار رضی اللہ عنہ

جعفر نام، والد ابوطالب یعنی عبد مناف، کنیت ابوعبداللہ، اور القاب ''الطیار''، ''ذوالجناحین'' اور ''ابوالمساکین''، والدہ مکرمہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی اور عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے۔

اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے، خاندانِ ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا۔ اپنے صاحبزادے حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا، جعفر! تم بھی اپنے چچازاد کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں کچھ مزہ آیا کہ وہ بہت جلد ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے۔ جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین بھی نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک صرف اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے۔

ہجرتِ حبشہ

مشرکینِ مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبشہ کی راہ لی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن قریش نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے شاہ کے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ''ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے باپ دادا کے مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمرو ئے حکومت میں آ گئے ہیں، انہوں نے ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جسے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ ہمیں ان نوجوانوں کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور والا ان کو ہمارے ساتھ مکہ واپس کر دیں۔''

درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی۔ لیکن بادشاہ نے مسلمانوں کو

بلا کر اس نئے مذہب سے آگاہی چاہی، جس کی خاطر انہوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا ہے۔

شاہی دربار میں حضرت جعفر کا خطاب

مسلمانوں نے شاہ نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ انہوں نے اس طرح خطاب فرمایا:

''بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی۔ ہم بتوں کے پجاری تھے۔ مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے اپنا ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی شرافت، راست بازی، دیانتداری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے۔

اس نے ہمیں شرک، بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی۔ راست بازی، امانت داری، ہمسائیوں اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق سکھایا۔ اس کی نورانی تعلیمات کی ہدایات ہیں کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بلاوجہ خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ کر ایک خدا کے عبادت گزار بن جائیں۔''

قریشی وفد نے بادشاہ کو گمراہ کرنے کی ایک اور ناکام کوشش بھی کی۔ چونکہ بادشاہ عیسائی مذہب رکھتا تھا، اس لیے کہا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے اس کی وضاحت چاہی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی آیات کی تلاوت ایسے پُرسوز لحن میں فرمائی کہ نجاشی بیحد متاثر ہوا۔ اس طرح قریش کی سفارت ناکام و نامراد واپس ہوئی۔ (٦٨)

حبشہ سے مدینہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کے چھ سال بعد ۷ھ میں حبشہ سے مدینہ منورہ آئے۔ ان ہی دنوں خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشیاں منا رہے تھے اور مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے

انہیں گلے لگایا اور پیشانی چومی۔ پھر فرمایا:

ما ادری بایتهما انا افرح، بقدوم جعفر او بفتح خیبر۔ (۶۹)

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفرؓ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر فتح ہونے کی۔

۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو عطا فرمایا۔ اور فرمایا، اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر، اور جعفر بھی جام شہادت نوش کر لیں تو عبداللہ بن رواحہ امیرِ فوج ہوں گے۔ (۷۰)

شہادت

موتہ پہنچ کر معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ تین ہزار غازیانِ اسلام کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل لشکر تھا۔ امیر فوج حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خلعتِ شہادت زیبِ تن فرمائی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کود پڑے۔ علم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ دشمنوں کا ہر طرف نرغہ تھا۔ تیغ و تبر، تیر و سناں کی بارش ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے راہِ خدا میں شہید ہو کر جسم سے جدا ہو چکے تھے، مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ بالآخر جب شہید ہو کر گر گئے تو عبداللہ بن رواحہ نے اور اُن کے بعد خالد بن ولید نے علم ہاتھ میں لیا۔ (۷۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے شہداء میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا، دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام زخموں کا شمار نوے سے بھی متجاوز تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک زخم پشت پر نہ تھا۔ (۷۲)

رسول اللہ ﷺ کا حزن وملال

شہداء غزوہ موتہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ جل مجدہٗ نے اپنے نبی کو اطلاع فرما دی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور روئے انور پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ (۷۳)

آپ ﷺ کو ایک عرصہ تک شدید غم رہا۔ بالآخر روح الامین علیہ السلام نے یہ بشارت سنائی:

"اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو نئے بازو عطا فرمائے

ہیں، جن سے وہ ملائکۂ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں۔"

ان لجعفر بن ابی طالب جناحین یطیر بهما فی الجنة مع الملائكة. (۷۴)

اولاد

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے تھے: عبداللہ، محمد اور عون۔ تینوں کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس بن معبد تھیں۔ اور تینوں کی ولادت ہجرت حبشہ یعنی قیامِ حبشہ کے دوران ہوئی۔ (۷۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، اور حیدر (شیر) لقب تھا۔

قال انا الذی سمتنی امی حیدر. (۷۶)

باپ کا نام ابوطالب اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔

خاندانِ ہاشم کو عرب اور قبیلۂ قریش میں جو وقعت اور عظمت حاصل تھی، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ خانہ کعبہ کی حرمت اور اُس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا۔ اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ابوطالب نہایت کثیر العیال تھے اور معاشی تنگی سے سخت پریشان تھے۔

اسلام

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے خلعتِ نبوت عطا ہوئی۔ چونکہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔

ایک روز سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو مصروفِ عبادت دیکھا۔ روح پرور منظر نے اپنا اثر دکھایا۔ طفلانہ استعجاب کے ساتھ علیؓ نے پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصبِ گرامی کی خبر دی

اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔

حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے ناآشنا تھے۔ متحیر ہو کر عرض کیا، اپنے والد ابوطالب سے اس کے متعلق دریافت کروں؟ چونکہ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا، اگر تمہیں تامّل ہے تو خود غور و فکر کر لو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

چونکہ رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیقِ الٰہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (۷۷)

اس معاملہ میں مختلف احادیث پائی جاتی ہیں کہ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ بعض روایات کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بعض روایات میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اوّلیت ظاہر ہوتی ہے اور بعض کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایمان سب پر مقدم ہے۔

ان مختلف روایات میں سب سے عمدہ تطبیق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے، جسے علامہ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے:

"آزاد مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ خواتین میں پہلے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید مسلمان ہوئے۔ اور نوخیز جوانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان قبول کرنے میں مقدم ہیں۔" (۷۸)

مکی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے۔ چونکہ وہ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آغوشِ تربیت ہی میں تھے، اس لیے آپ ﷺ کی تعلیم و ارشاد کی مجالس، مشورہ وغیرہ کی محافل، کفار و مشرکین سے مباحث اور معبودِ حقیقی کی پرستش و عبادت کے مواقع میں، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منصبِ نبوت عطا ہونے کے بعد تین برس تک اعلانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی، بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے

رہے۔ چوتھے سال اعلانِ عام کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم ہوا:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ.

ترجمہ: اپنے قریبی اعزہ کو عذابِ الٰہی سے ڈراؤ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اُس وقت چودہ پندرہ برس کی تھی، لیکن وہ بھی اس مجمع اقرباء میں شریک تھے۔

ہجرت

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ لیکن مشرکین کا بغض و عناد برابر جاری رہا۔ آپ ﷺ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ رحمتِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیرِ پنجۂ ستم دیکھ کر انہیں مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کے نتیجہ میں چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔

اس ہجرت سے مشرکین کا غیظ و غضب بہت بڑھ گیا۔ انہوں نے رحمتِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جان لینے کا حتمی فیصلہ کر کے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن مشیتِ ایزدی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پُرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے، اس لیے وحیِ الٰہی نے آپ ﷺ کو مشرکین کے ناپاک عزائم کی اطلاع کر دی اور ہجرتِ مدینہ باسکینہ کا پروانہ بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ رسولِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے یارِ غار اور جاں نثار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور ہجرت کو روانہ ہو گئے۔ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا۔

اگرچہ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر بائیس تیئیس سال کی تھی، اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدائیت و جاں نثاری کا عدیم النظیر کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا، اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محوِ خواب رہا۔

صبح ہوتے ہی مشرکین اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے گھر میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر وہ سخت حیرت زدہ ہو گئے کہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ندارد۔ ان کے بستر پر ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے سربکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس ناکامی پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش وجستجو میں روانہ ہو گئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دو تین دن مکہ میں مقیم رہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق جن لوگوں سے لین دین تھا، اُن کے معاملات سے فارغ ہو کر وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے۔ اس زمانے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے، اس لیے حضرت علی بھی ان ہی کے ہاں فروکش ہوئے۔ (۷۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ (۸۰)

غزوات

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقریباً تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا، اور ہر ایک غزوہ میں شجاعت و بہادری کے جوہر خوب دکھائے۔ غزوہ بدر میں مہاجرین کا علم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، اور انصار کے علمبردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (۸۱)

غزوہ اُحد میں لشکر کی ترتیب یوں تھی، اس کے میمنہ کے امیر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور میسرہ کے امیر سیدنا المنذر بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ، جبکہ قلب لشکر کے امیر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب مشرکین رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھنے لگے تو حضرت مصعبؓ سدِ راہ بن گئے۔ جب انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا تو حیدر کرار نے بڑھ کر پرچم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ (۸۲)

۵ھ میں کفار اپنی پوری تیاری اور طاقت کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے مدینہ سے باہر حفاظتی تدبیر کے طور پر خندق کھود لی تھی۔ قبیلہ بن عامر کا عمرو بن عبدِ وُد مشہور شجاع تھا، بہادری کے غرور میں اُس نے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے مقابلہ کے لیے میدانِ کارزار میں نکلے، دونوں میں سخت قتال ہوا۔ تھوڑی دیر

تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ آخر مسلمانوں کی پامردی اور استقلال کے آگے کفار کے پاؤں اُکھڑ گئے اور فتح مجاہدین کا مقدر بن گئی۔ (۸۳)

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود اُن کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اس لیے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس مہم میں بھی پرچم اسلام سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ (۸۴)

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی امداد کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک سو مجاہدین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائے۔ شعبان میں مجاہدین نے حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا، اور پانچ اونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔ (۸۵)

صلح حدیبیہ

۶ھ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مقام حدیبیہ پہنچنے پر مشرکین مکہ نے مزاحمت کی اور عمرہ کرنے سے روک دیا۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ مشرکین نے انہیں روک لیا۔ ادھر یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے ہیں۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اس بیعت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط اور جھوٹی تھی۔ اس سے مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور:

هذا ما قاضی علیه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم

کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی۔ مشرکین نے ''رسول اللہ'' کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہمیں اگر رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس لفظ کو مٹا دو۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی نے گوارا نہ کیا اور عرض کیا: ''خدا کی قسم! میں اس کو مٹا نہیں سکتا۔''

اس لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود اپنے دستِ مبارک سے مٹا دیا، اور مشرکین کی تجویز سے "محمد بن عبداللّٰہ" تحریر کروایا۔ (۸۶)

غزوۂ خیبر

مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں ستر میل کے فاصلہ پر خیبر ایک یہودی کالونی تھی، جہاں متعدد مضبوط قلعے تھے، اور یہ جگہ یہودیوں کا جنگی مورچہ بلکہ جزیرۃ العرب میں ان کی تمام چھاؤنیوں میں آخری اور مضبوط ترین چھاؤنی تھی۔

۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو تھی۔ ایک ایک قلعہ فتح ہوتا رہا، لیکن "القموص" کا قلعہ مسلمانوں کے لیے ناقابلِ تسخیر معلوم ہو رہا تھا۔ کئی دن قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، لیکن مجاہدین کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، "کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے، اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ پر مقدر ہے۔"

صبح ہوئی تو ہر ایک مجاہد متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر سجتا۔ لیکن یہ دولت گراں مایہ حیدرِ کرارؓ کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے جاں نثار اپنا نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام پکارا۔ یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؓ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا، جس سے یہ شکایت کافور ہو گئی۔ (۸۷)

فتحِ مکہ

رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ابھی مجاہدین روانہ نہیں ہوئے تھے، معلوم ہوا ایک عورت یہاں کے حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو اُس عورت کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ روضۃ الخاخ کے مقام میں اسے گرفتار کر کے خط طلب کیا۔ پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی، بالآخر خط دے دیا۔

یہ لوگ خط لے کر مدینہ منورہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ

وہ خط بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا۔

۱۰ر رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار قدسیوں کے جلو میں رسول الثقلین صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی کسمپرسی کے عالم میں نکالے گئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پرچم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔ آج مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا۔ اور وہ وقت آ گیا کہ خلیلؑ بت شکن کی یادگار "خانہ کعبہ" کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے بتوں کو توڑنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ (۸۸)

صدمۂ جانکاہ

۱۰ھ میں رحمتِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آخری حج ادا فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یمن سے آ کر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

حج سے واپسی پر ربیع الاوّل ۱۱ھ کے ابتدائی ایام میں محسنِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم بیمار ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ر ربیع الاوّل دوشنبہ کے روز سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جاں نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے، اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراحل میں برابر شریک رہے۔ (۸۹)

عہدِ خلفاءِ ثلاثہ

شہنشاہِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سانحۂ ارتحال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ تقریباً تمام اہلِ مدینہ نے بیعت کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی خلافتِ صدیقؓ برضا و رغبت قبول فرما کر بیعت کر لی تھی۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد امیر المومنین، خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واصل باللہ ہوئے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی بڑی مہمات میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے

تھے، اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔

۱۵ھ میں جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے تاریخی سفر پر گئے تو کاروبارِ خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے۔ (۹۰)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، دونوں نے باہم رشتہ مصاہرت قائم کر کے دنیا کو بتا دیا کہ یک جان دو قالب ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر، خاتونِ جنت سیدہ زہرہؓ کی نورِ نظر، نواسیِ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ اور بقاء کے لیے بارہ رکنی مجلسِ شوریٰ منتخب فرمائی، جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو جس طرح خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کے ادوار میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فیصلہ اور قضاء کے معاملات میں تعاون کرتے تھے، اسی طرح خلافتِ عثمان میں سیدنا علیؓ ان مسائل کے حل میں شریک و شامل رہے۔

جب امیر المومنین خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ و فساد شروع ہوا تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے رفع کرنے میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔ جب مصری بلوائیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا تو سیدنا علیؓ نے ان لوگوں کو کہا، تمہارا یہ طرزِ عمل نہ صرف اسلامی روح کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کی تذلیل و تحقیر کے مترادف بھی ہے۔ کفار بھی مسلمان قیدیوں کو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے ہیں۔ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو تم ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ اس سفارش سے محاصرہ میں قدرے نرمی کر دی گئی۔ (۹۱)

بالآخر ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں اسلام دشمن عناصر نے خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شمعِ حیات بجھا دی۔ اس بے کسی کی موت پر عالمِ امکان نے ماتم کیا۔ کائناتِ ارضی

و سماوی نے اس خونِ ناحق پر آنسو بہائے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز دوشنبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ پُرآشوب اور سخت ناساعد حالات میں خلافت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ۱۷ رمضان ۴۰ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ برس تھی۔

اولاد

مورخین کے بیان کے مطابق خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے چودہ تھے؛ حسن، حسین، عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان، عبیداللہ، ابوبکر، یحییٰ، محمد الاصغر، عون، عمر، محمد الاوسط، محمد الاکبر رضی اللہ عنہما۔ اور بیٹیوں کی تعداد سترہ ذکر کی ہے۔ (۹۲)

محمد بن حنفیہ

نام و نسب

محمد نام، ابوالقاسم کنیت، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند اور سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے سوتیلے بھائی تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد کئی شادیاں کیں۔ ان بیویوں میں سے ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنفیہ تھیں۔ خولہ کے بطن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں ہوئی۔ (۹۳)

محمد بن حنفیہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم باپ کے فرزند تھے، اس لیے علم کی دولت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ امام ابن سعد انہیں بہت بڑا صاحبِ علم لکھتے ہیں۔ (۹۴)

علم کے ساتھ قوت و شجاعت میں بھی اپنے والد بزرگوار اسد اللہ الغالب کے خلف الصدق تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے ہمیشہ دست راست اور پشت پناہ رہے، ہر میدان میں ان کے دوش بدوش دادِ شجاعت دیتے رہے۔

آپ نے متعدد شادیاں کیں اور بہت سی اولاد ہوئی؛ ابوہاشم، عبداللہ، حمزہ، علی، جعفر اکبر۔

یہ ایک امہ کے بطن سے تھے۔

حسن، ابراہیم، قاسم، عبدالرحمٰن، جعفر اصغر، عون، عبداللہ اصغر۔ (۹۵)

ام ہانی رضی اللہ عنہا

فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ یہ حضرت علی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما کی حقیقی بہن تھیں۔

۸ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا مسلمان ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی تھی۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو عزیز رشتہ دار مشرکین کو پناہ دی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا۔ (۹۶)

ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ کے دن نجران بھاگ گیا تھا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ۴۶ احادیث مروی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کرتی رہتی تھیں، جن کی وجہ سے انہوں نے فقہ میں ملکہ حاصل کر لیا تھا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ عرض کیا، اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں، چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے، کوئی ایسا عمل ارشاد فرما دیں جسے بیٹھے بیٹھے پڑھتی رہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، سُبْحَانَ اللہ سو مرتبہ، اَلْحَمْدُلِلّٰہ سو مرتبہ، اَللّٰہُ اَکْبَر سو مرتبہ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سو مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ (۹۷)

جمانہ بنت ابوطالب

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ بھی حقیقی بہن ہے اور اس کی والدہ بھی حضرت فاطمہ بنت اسد تھیں۔ ان کا نکاح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا تھا اور اولاد بھی ہوئی تھی۔ (۹۸)

جمانہ بنت ابوطالب کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کا ذکر بعض علماء نے کیا ہے، لیکن اکثر علماء نے اس کی تائید نہیں کی۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: الاصابہ اور اسد الغابہ)

سیّد عالم ﷺ کے ماموں

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں۔ قبیلہ زہرہ قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھا۔ (۹۹)

سیّدہ آمنہ کے حقیقی بھائیوں کے متعلق تاریخ خاموش ہے، البتہ قبیلہ بنو زہرہ کے تمام لوگ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالو ہیں، کیونکہ سیّدہ آمنہ ہمارے قبیلہ کی چشم و چراغ ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص کو فرمایا تھا:

هذا خالي فليرني امرؤ خاله۔ (۱۰۰)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی، جن کا نام آمنہ تھا، قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں، وہب بن عبد مناف کو اُن کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کر لیا اور عقد ہو گیا۔ (۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں میں سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام بہت زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، جو صاحب ایمان تھے، ان کی اولاد اور پوتے بھی آل بیت میں شامل ہیں، جن کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

علی بن عبداللہ

علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، کنیت ابومحمد، سجاد لقب، والدہ کا نام زُرعہ اور نانی کا نام شجرہ تھا۔

ولادت

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شب شہادت کو رمضان ۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اس لیے یادگار کے طور پر اُن ہی کے نام پر علی اور ابوالحسن کنیت رکھی گئی۔ لیکن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں

آلِ بیتِ سکنیٰ

کہا کہ میں علی کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ برداشت نہیں کر سکتا، ان میں سے ایک بدل دو۔ چنانچہ کنیت ابی الحسن چھوڑ کر ابو محمد رکھ لی گئی۔ (۱۰۲)

اپنے زمانہ کے بڑے عابد و مرتاض بزرگ تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے ''سجاد'' لقب پڑ گیا تھا۔ دن رات میں ایک ہزار رکعات پڑھتے تھے۔ عبادت کا یہ ذوق و انہماک آخر لمحۂ حیات تک قائم رہا۔ (۱۰۳)

۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وصال ہوا۔ ابن سعد لکھتے ہیں، نہایت حسین و جمیل تھے۔ روئے زمین پر ایسا حسین و جمیل قریشی نہیں تھا۔ (۱۰۴)

بچے اور بچیاں ۲۹ تھیں۔ علی کی اولاد اس کثرت سے پھلی پھولی، عباسی خلفاء ان ہی کی نسل سے تھے۔ (۱۰۵)

عباس بن عبداللہ

عباس بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب۔ والدہ کا نام زرعہ تھا۔ یہ بڑے بیٹے تھے۔ اولاد میں تین بیٹے ہوئے؛ عبداللہ، عون، محمد۔ (۱۰۶)

﴿ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

اہلِ بیت کی حقیقی مصداق ''اہلِ بیت سکنٰی''

یعنی ازواج مطہرات ہی ہیں،

جو دن رات ان گھروں میں قیام پذیر تھیں،

جن گھروں کا تذکرہ وحی خداوندی کی زینت بنا۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ. مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ. لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ.

امّ المومنین سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

پاک دامن خاتون

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد کا نام ''خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ'' تھا۔ عبدالعزیٰ، عبدمناف کے بھائی تھے، جبکہ عبدمناف حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اجداد میں سے تھے۔ عبدالعزیٰ اور عبدمناف کے والد قصی بن کلاب تھے۔ اس طرح سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جاملتا ہے۔

سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔ انہوں نے ''حرب فجار'' نامی لڑائی میں بھی قیادت کی تھی، اور جب ''تبع'' حجرِ اسود کو اکھیڑ کر یمن لے گیا تھا تو اُس کی بازیابی میں خویلد نے بڑی جدوجہد اور کوشش کی تھی۔

سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام ''فاطمہ'' بنت زائدہ بن الاصم بن عاصم بن لوی تھا۔ اور اُن کی نانی کا نام ''ہالہ بنت عبدمناف'' تھا۔

سیّدہ کی نشوونما

سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ایسے کھاتے پیتے گھرانے میں پرورش پائی جو اپنی عمدہ عادات، دینداری میں مشہور تھا، اور اُن لغویات اور فضولیات سے دُور تھا جو عام قریشی گھرانوں میں سرایت کرچکی تھیں۔

کتب تاریخ حضرت خدیجہؓ کے بچپن کے حالات سے خاموش ہیں۔ لیکن اتنی بات ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بچپن کا ابتدائی حصہ نعمتوں سے بھرپور مالدار گھرانے میں گزارا۔ زندگی کی تمام سہولیات انہیں میسر تھیں۔ ان کا خاندان بھوکوں کو کھانا کھلانے اور محتاج و نادار لوگوں کی مدد کرنے کے اعتبار سے مشہور تھا۔

اللہ رب العزت نے اپنی عنایت خاصہ اور حکمت بالغہ کے پیشِ نظر بچپن ہی سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نگرانی وتربیت فرمائی، کیونکہ وہ ام المومنین کا درجہ حاصل کرنے والی تھیں۔ اور ہر عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ ام المومنین بن سکے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور خصوصی توجہ نے پیدائش کے بعد سے نشوونما تک سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خصوصی مقام عطا کرنے کے لیے چن لیا تھا، تمام ازواج مطہرات کے سلسلہ میں آپ ﷺ صرف اسی خاتون کو قبول فرماتے تھے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور رہنمائی ہوتی تھی۔ خواہ کوئی عورت دنیوی اعتبار سے کتنے ہی اونچے درجے کی کیوں نہ ہو، بغیر حکمِ الٰہی کے اسے قبول نہیں فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ.

(سورۃ الاحزاب:۵۰)

ترجمہ: اے نبیؐ! ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں حلال کر دیں، جن کے آپ مہر ادا کر چکے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ.

(سورۃ الاحزاب:۵۲)

ترجمہ: اس کے بعد آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں، اور نہ یہ کہ آپ ان سے اور عورتیں تبدیل کریں۔

اوّلیں ازدواجی زندگی

قریش کے اعلیٰ خاندانوں میں یہ دستور تھا کہ وہ جوان ہوتے ہی لڑکی کی شادی کر دیا کرتے تھے۔ جونہی اس کی عمر دس سال سے زیادہ ہوتی، اس کے لیے رشتے آنا شروع ہو جاتے۔ اعلیٰ خاندانوں میں رشتہ مانگنے کی جرأت وہی شخص کر سکتا تھا جو خود بھی اعلیٰ حسب ونسب کا حامل ہو۔

سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر جونہی دس سال سے زیادہ ہوئی، عتیق بن عابد مخزومی سے ان کا نکاح ہو گیا، اور اُن کے ہاں عبداللہ نامی بچہ کی پیدائش ہوئی۔ پھر عتیق بن عابد کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ان کی بیوگی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انہیں ابوہالہ ہند بن زرارہ بن النباش تمیمی نے

پیغامِ نکاح بھیجا۔ ہند بن ہالہ سے ان کے ہاں دو لڑکے (ہند اور حارث) اور ایک لڑکی (زینب) پیدا ہوئی۔

جب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو عبداللہ بن عتیق کی عمر دس سال سے زائد تھی، اور ہند اور دوسرے بچے ابھی دورِ طفولیت ہی میں تھے۔ یہ سارے بچے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، الفت اور پدرانہ ہمدردیاں محسوس کرتے تھے اور ''والد'' کہہ کر پکارتے تھے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے دوسرے خاوند ابوہالہ نباش کی وفات کے بعد اپنے بچوں کی تربیت کی واحد نگران تھیں۔ بچوں کی دیکھ بھال، پرورش اور تعلیم وتربیت انہی کے ذمہ تھی۔ اس عظیم خاتون کے زیرِ نگرانی بچوں نے اچھی تربیت پائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود کو بچوں کے لیے فارغ کر دیا تھا اور شادی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انہیں کئی قریشی سرداروں نے پیغامِ نکاح بھیجا، لیکن انہوں نے سب کو انکار کر دیا اور کسی سے رضامندی کا اظہار نہیں کیا، اور خود کو بچوں کی تربیت میں مشغول رکھا۔

شغلِ تجارت

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے فارغ اوقات کو اپنے مالِ کثیر کے ذریعہ تجارت کروانے میں صَرف کرتی تھیں۔ وہ اپنے مالِ تجارت کو اُن قافلوں میں روانہ کرتیں جو تجارت کے لیے مکہ سے جایا کرتے تھے۔ اور وہ اُن قریشی لوگوں پر نگاہ رکھتی تھیں جو قافلہ کے ساتھ تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، تاکہ انہیں امانت دار اور کھرا آدمی میسر ہو سکے۔ اس سلسلے میں وہ اکثر اپنے بھتیجے حزام (جو حکیم کے نام سے معروف تھے) سے مدد لیا کرتی تھیں۔ وہ انتہائی ذہین آدمی تھے اور اپنی قوم میں ان کا ایک بلند مقام تھا۔ ان کی تجارت بڑی وسیع تھی۔ ان کے قافلے جزیرہ عرب کے اندر اور باہر، شام اور ایران وغیرہ میں مالِ تجارت کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ اکثر اُن کے گھر جایا کرتے تھے۔ رائے اور عمل میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ (یاد رہے کہ یہ حکیم وہی شخص ہے جس نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بطور ہدیہ پیش کیا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا)۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ جس شخص کو وہ اُجرت پر بطور تاجر کے رکھتی تھیں، وہ اپنے عمل میں امانتداری، سچائی اور اخلاص کو اپنانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی وسیع و عریض تجارت اور بے شمار منافع کے باوجود کسی موقع پر تجارت کی غرض سے باہر نہ نکلیں اور نہ انہیں تاجروں سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ وہ کسی ایسے شخص کو مقرر کر دیتی تھیں جو انہیں تجارتی امور سے بے نیاز کر دیتا۔ اور ہم بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر نہ تو مکمل طور پر تجارتی امور میں مصروف ہوتیں اور نہ ہر وقت اپنے دل و دماغ میں تجارتی افکار کو غلبہ دیتیں۔ گویا کہ وہ ان چیزوں سے بہت مطمئن تھیں۔ ان کا دل و عقل ایک روحانی امر کے بارے میں غور و فکر کرنے میں مصروف تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ محض انہوں نے اپنے خاوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں علاماتِ نبوت کو دیکھ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور وہ اُن چیزوں سے الگ ہو گئی تھیں جب وہ پختہ ایمان باللہ میں زندگی گزارنے لگیں تھیں۔

فکر و نظر کی پاکیزگی

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک عظیم کام نے مصروف کر رکھا تھا۔ وہ نہ بتوں کی عبادت کرتی تھیں نہ ہی کھڑے ہو کر انہیں دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ ان کے بعض مقربین نے انہیں اس بات کی ترغیب بھی دی کہ وہ اپنے گھر میں بت رکھ لیں، یا وہ مورتیاں رکھ لیں جن کی اہلِ مکہ تقدیس و پرستش کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ انہیں مذاق کے انداز میں مسکرا کر رد کر دیا کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان معبودوں کی حیثیت کیا ہے! اور انہیں علم تھا کہ یہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پر قادر ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کتب سماوی کو سن کر بہت زیادہ فرحت و سرور اور اطمینان و تسلی محسوس کرتیں۔ جب ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل انہیں تورات اور انجیل پڑھ کر سناتے تو وہ جھوم جاتیں۔ ورقہ بن نوفل جب انہیں اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتے، جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجنا تھا اور اپنی قوم کے ساتھ لمبے جھگڑے کے بعد دین کو غلبہ عطا ہونا تھا، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کافی دیر تک خاموشی کے ساتھ ان کی باتوں کو سماعت کرتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں۔ اور وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ انہیں اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب ہو اور یہ اُس کی نصرت کے راستے میں اپنی ہر چیز نچھاور کر دیں۔ شاید کہ ان کے صاف و شفاف ذہن میں اس کامل انسان کی صورت کا نقشہ اُبھر رہا تھا، جس صورت میں خالق تعالیٰ نے بغیر نمونہ کے اسے نقش عطا فرمائے تھے۔

سیّد عالم ﷺ سے اوّلیں معاملہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مبارک تجارت مال کثیر اور خیر عمیم کا ذریعہ تھی۔ ان کی مہمان نوازی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ رشتہ دار، عزیز و اقربا، مسافر اور ان کی سہیلیاں سیّدہ کی ضیافت سے نفع حاصل کرتے تھے۔ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتیں، ناداروں کو کپڑے پہناتیں، فقیروں کی مدد کرتیں۔ اکثر اوقات ان کی رشتہ دار بچیاں ان کی خدمت میں حاضر ہوتیں، سیّدہ کی ہم نشینی اختیار کرتیں اور اُن کی خیرات سے وافر حصہ وصول کرتیں، اور کعبہ روانگی اور وہاں سے لوٹتے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتیں اور اُن کے آگے پیچھے چلا کرتی تھیں۔ گویا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بے تاج ملکہ تھیں۔ مشکلات میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور اُلجھنوں کو اُن کی پختہ رائے سے حل کیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب سے یہ ساری باتیں پوشیدہ یا مخفی نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی کام کی ضرورت ہے اور حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اس سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر سکتی ہیں۔ ابوطالب اس بات کو اپنے بھتیجے کے سامنے بیان کرنا چاہ رہے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خندہ پیشانی کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا۔ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''اے محمد! میں تو ایک نادار آدمی ہوں، میرے حالات بڑے سخت ہیں، ہم پر بڑی تنگی کے سال گزر رہے ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) آپ کی قوم کے لوگوں کو قافلہ میں بھیجتی ہیں، وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے اُس کے مال میں تجارت کرتے ہیں اور خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس جائیں اور خود کو اُن کے حوالہ کریں تو وہ یقیناً آپ کو فوراً نہ

صرف قبول کریں گی بلکہ آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح بھی دیں گی، کیونکہ آپ کی صداقت اور پاکیزگی کے بارے میں انہیں علم ہے۔"(۱)

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و خصائل کا تذکرہ سن رکھا تھا۔ اس سیرت طیبہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بٹھا دی۔ اگر تاریخی واقعات (جو اس مذکورہ بات کی تائید کرتے ہیں) موجود نہ بھی ہوں، تب بھی ایسے دلائل و شواہد موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل اور محاسن و صفات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دے کر اپنے ہاں تشریف آوری کی دعوت دی، تاکہ انہیں ان کی ذمہ داریوں اور معاوضہ پر متفق کر لیں اور اُن سے امورِ تجارت طے کر لیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عرض کیا، "مجھے جس چیز نے آپ کو بلوانے پر اُبھارا ہے، وہ آپ کی سچائی، امانتداری اور حسنِ اخلاق و عادات ہے، اور میں آپ کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت دوگنا مال عطا کروں گی۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے روانہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنے چچا کے ہاں تشریف لائے اور انہیں ساری بات سے مطلع فرمایا۔ ابو طالب مسرّت و شادابی سے جھوم اٹھے اور آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے گویا ہوئے:

"یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔"(۲)

پہلا تجارتی سفر

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے امر کی تیاری فرمائی۔ عنقریب وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے اُن کے مال میں تجارت کرنے والے تھے۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ روانگی کے لیے تیار ہو گئے، تاکہ سوق حباشہ پہنچ جائیں۔ سوق حباشہ زمانہ جاہلیت کا آٹھ روزہ بازار تھا، جو تہامہ میں لگتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مالِ تجارت فروخت کیا اور خرید و فروخت میں رائج اشیاء کو خریدا۔ جب بازار کے آٹھ دن پورے ہوئے تو واپس مکہ لوٹ آئے۔ ان کے ساتھ حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خادم میسرہ بھی تھا۔ جب میسرہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور سچائی کا مشاہدہ کیا تو اُس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت گھر کر گئی، اور وہ ان کے ہاتھوں کی برکت پر حیران رہ گیا۔ جونہی وہ مکہ واپس پہنچا، فوراً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، تاکہ انہیں اُن حالات سے آگاہ کرے جو اُس نے دیکھے اور سنے تھے۔ اور وہ اُس عظیم آدمی کی صفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔

ابن زبالہ فرماتے ہیں، "جب اونٹوں کا قافلہ واپس آیا تو میسرہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اشارہ کیا کہ ان کی طرف آئیں، تاکہ وہ اس بادل کو دیکھ لیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا ہوا تھا اور اُن کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور اونٹنی کا نوزائیدہ بچہ دیا جائے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعلق ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرما لیا تھا۔"

دوسرا تجارتی سفر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوق حباشہ کی طرف جانا تو محض ایک عنوان تھا، جس سے ان کی ایک خوبی ظاہر ہوئی کہ وہ کام کاج اور تجارت پر قدرت رکھتے ہیں اور اعلیٰ ذہانت کے مالک ہیں۔ اور اس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کا علم ہو گیا جو وہ پہلے نہ جانتی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سفر کی تیاری کرنے کی فرمائش کی۔ اس مرتبہ کا سفر شام کی طرف تھا۔ عرب تاجر سفر شام کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس میں ہر اُس چیز کو ساتھ لے جاتے تھے جو زیادہ نفع کا باعث بن سکتی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شام میں کس چیز کی مانگ زیادہ ہے۔

جب قافلہ کوچ کرنے کی تیاری کرتا اور اُس کے روانہ ہونے کا وقت آتا تو مکہ کے بزرگ اور سردار اپنی عادت اور رواج کے مطابق جانے والوں کو رخصت کرتے۔ اس موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچا حضرات اور خاص طور پر ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ کو رخصت کرنے اور حوصلہ دینے کے لیے موجود تھے اور انہیں خرید و فروخت کے متعلق فنی اُمور پر

مطلع کرتے تھے۔ پھر وہ قافلہ ان لوگوں سے ہدایات لینے کے بعد روانہ ہو گیا جنہیں پہلے بھی ان سفروں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محنت اور جدو جہد کے ساتھ عمل میں مصروف رہتے۔ سامان کو ترتیب سے رکھتے اور تمام چیزوں کی قابلِ اطمینان نگرانی فرماتے۔

قافلہ شام کے جنوب میں مقام ''بصریٰ'' پہنچ گیا۔ تاجروں نے اپنے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کا دورہ فرمایا، تاکہ لوگوں کے احوال معلوم کر لیں، پھر اپنے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا۔ اس موقع پر آپ کی خوبیاں اور خرید و فروخت اور لوگوں سے ملاقات میں آپ کی قدرت ظاہر ہوئی۔ شام کے ایک آدمی کا کسی بات پر آپ ﷺ سے اختلاف ہو گیا۔ اس نے کہا: ''لات اور عزیٰ کی قسم کھا!''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا: ''میں نے ان کی قسم کبھی نہیں کھائی، میں جب بھی گزرتا ہوں تو اُن سے اعراض کر لیتا ہوں۔''

اس آدمی نے کہا: ''تیرا قول ہی معتبر ہے۔''

عظمتِ محمدیؐ کا مشاہدہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا سامان بیچ دیا اور وہ چیزیں خرید لیں جو اہلِ مکہ کی ضرورت تھیں، اور مکہ واپس جانے کی تیاری فرمائی۔ جب آپ ﷺ مکہ کے قریب ''مرالظہران'' نامی وادی میں پہنچے تو میسرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جلدی جا کر انہیں سامان، سفر، تجارت کے حالات سے آگاہ کرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل، اخلاق و معاملات اور آپ کے ذریعہ حاصل ہونے والی برکتوں کی نشاندہی کرے۔

جب یہ قافلہ مکہ کے دروازوں پر پہنچا تو لوگ اس کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ عورتیں اپنے اہل و اقارب کے دیدار کے لیے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وادیٔ بطحاء میں موجود اپنے گھر کے بالا خانے پر تشریف لے گئیں، اور دیکھا کہ فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ سیدہ نے جب بالا خانے سے آپ ﷺ کو اس شان کے ساتھ آتے دیکھا اور پاس والی عورتوں کو بھی دکھایا تو تمام خواتین حیرت و استعجاب سے اس حیرت افزا

واقعہ کا نظارہ کرنے لگیں۔

سیدہ کے قلبی لگاؤ میں اضافہ ہو گیا اور اُن کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ اور دوسرے اہلِ قافلہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا اور اُن کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ جمیلہ پر مطلع ہوئیں تو اُن کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہو گئی، اور انہیں یہ تمنا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ مضبوط ہو جائے اور وہ انہیں قریب سے دیکھ سکیں۔ کیونکہ تجارت کا زمانہ اس تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے کافی نہ تھا، وہ تو اب مضبوط تعلق چاہتی تھیں جس کے ذریعے یہ ان کے شریکِ حیات بن سکیں۔ لہٰذا انہوں نے اس مضبوط تعلق کی بنیاد ڈالنے کے لیے غور و فکر کیا اور اس نتیجہ پر پہنچیں کہ یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں اور یہ قرب شادی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ (۳)

حریمِ نبویؐ میں آمد

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمِ شباب اپنے عروج کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ وہ اللہ کی نگاہ کی حفاظت میں تھے۔ نظر کو پاکدامن رکھنے والے اور زبان کو لغزشوں سے بچانے والے تھے۔ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے جہاں آپ سے بات کرنے کو چاہا جاتا تھا۔ جب گفتگو فرماتے تو اُس میں کسی انسان کے لیے یہ پہلو نہ ہوتا کہ اپنی کسی ذاتی غرض یا خواہش کی بنا پر یہ بات فرما رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے معاملہ میں پیش رفت عورتوں کی طرف سے ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کام کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور اوصاف و خصائل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، اور وہ ایک امید بھری زندگی گزارنے لگی تھیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ کے دوران آپ ﷺ کے آداب، نظر، کلام اور تعبیرات کا مشاہدہ کیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی کہ وہ آپ ﷺ سے نکاح کی خواہش نہ کریں۔ اس خواہش میں کوئی انوکھا پن اور غرابت تو نہ تھی، لیکن انکار کا خوف انہیں کھائے جا رہا تھا۔ امید بھری زندگی کڑی حقیقت سے بہت آسان ہوتی ہے، حقائق کے انکشاف سے پہلے

غیر واضح امور میں صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔

ہالہ کی تگ و دو

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس بات کا فیصلہ کر چکی تھیں کہ نکاح نہ کریں گی اور انہوں نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور مالداروں کو انکار کر دیا تھا اور اُن کے پیغام نکاح کو قبول نہ کیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں گفتگو یا سوچنے کی گنجائش نہ چھوڑی تھی اور تمام لوگ ان کے جواب کو سُن کر نا اُمید ہو چکے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے چچازاد بھائیوں کے دلوں میں ان کے احترام اور مرتبہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قریبی رشتہ دار خواتین نے اس بات کو محسوس کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں رغبت ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہؓ کی خواہش تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جائے۔ حضرت حالہؓ کا گمان تھا کہ جونہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بات کی جائے گی، وہ فوراً قبول کرلیں گے۔

حضرت ہالہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیزی سے ان دونوں حضرات کے پیچھے پہنچیں، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب و ہیبت نے انہیں زبان کھولنے سے روک دیا۔ بالآخر انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور کہا، ''اپنے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی رغبت ہے؟''

حضرت ہالہؓ یہ سوچ کر واپس چلی گئیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جونہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے یہ پیغام سنیں گے تو فوراً اُن کی بہن کے پاس پہنچ جائیں گے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''کیوں نہیں!'' اگرچہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں گئے اور اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پہلے کی طرح گزرتی رہی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن حضرت ہالہؓ کو اس طرزِ عمل سے ملامت کی کہ ''کیا راستہ میں، ناواقف اور غیر آدمی سے، ناپسندیدہ ترین طریقہ پر اتنا اہم پیغام دینا، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان لوگوں سے اس انداز میں گفتگو کی جاتی ہے؟''

حضرت ہالہؓ خاموش رہیں اور اپنی بہن کو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قریبی سہیلی نفیسہ بنت منبہ نے ملامت کے سلسلہ کو منقطع کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا، وہ اس سلسلہ میں حکیمانہ رائے رکھتی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف جا رہے تھے۔ نفیسہ کی آواز سنائی دی، آپ ﷺ اُدھر متوجہ ہوئے۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟'' نفیسہ گویا ہوئیں۔

اس سوال سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی میں رغبت تھی یا آپ ﷺ اس سے اعراض کرتے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک معقول سبب بیان فرمایا تو اُن کے لیے مزید سوالوں کی گنجائش نہ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ''میرے پاس کیا ہے، جس کے بدلے میں شادی کروں؟''

یہ جواب سن کر نفیسہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی نہ کرنے کا سبب معلوم ہو گیا، لہٰذا وہ فوراً قبولیت کی طرف متوجہ ہوئیں، جس سے معاملہ واضح ہو جاتا تھا۔ لہٰذا عرض کیا:

''اگر آپ کے لیے موجودہ مال کافی ہو اور آپ کو مال و جمال، عزت و مرتبہ اور برابری کی عورت کی دعوت دی جائے تو آپ قبول نہ کریں گے؟''

''وہ کون ہے؟'' آپ ﷺ نے استفسار فرمایا۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں کسی مخصوص بیوی کا خیال نہ تھا، اور نہ ہی وہ کسی خاص موضوع کے لیے کوشش وجدوجہد فرما رہے تھے۔

''خدیجہ!'' نفیسہ نے جواب دیا۔

امانت وصداقت کے پیکر کے لبوں کو جنبش ہوئی، ''میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟''

نفیسہ نے کہا، ''جب آپ راضی ہیں اور موافقت کرتے ہیں تو اس معاملہ کو میں سنبھال لوں گی۔''

سرورِ دو عالم ﷺ سے سیّدہ کا عقد

نفیسہ خوشی و مسرت سے سرشار اپنی عزیز دوست کو مبارکباد دینے پہنچ گئیں۔ ان کا مقصد

پورا ہو چکا تھا اور وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نفیسہ کے اس اقدام پر خوشی و مسرت سے جھوم اٹھیں۔ (۴)

نکاح کے لیے حمزہ، ابو طالب اور دیگر معززین خاندان سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے۔ ابو طالب نے، جو عمر میں بزرگ تھے، خطبۂ نکاح پڑھا، اور ۵۰۰ درہم چاندی مہر مقرر ہوا۔ (۵)

خصائصِ نبوت کا ظہور

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد اُن کے گھر منتقل ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی خوشیوں سے بھر گئی۔ اُن کا گھر سعادت اور نیک بختی کا مرکز بن گیا۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک ایسی شخصیت کا وجود پایا جس نے ان کے ذہن سے تفکرات اور اندیشوں کو مٹا دیا۔ اگر اعلیٰ اخلاق اور اُن کے حامل لوگوں کا ذکر کیا جائے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمال کے رتبہ پر فائز نظر آتے ہیں۔ اگر مردانگی، دانشمندی اور دانائی کا تذکرہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ان صفات کا حامل ہو سکتا ہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احساس اور شعور میں یہ یقین اور ایمان بیٹھنے لگا کہ ان کے خاوند ہی اس امت کے نبی ہیں، جن کے متعلق انہوں نے اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل سے سن رکھا ہے۔ لیکن یہ کب ہو گا؟ آپ ﷺ اور آپ کے رب کے درمیان اتصال کب ہو گا؟ وہ کون سے خلافِ عادت امور ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوں گے؟ یہ ایسے سوالات تھے جن کا جواب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ تھا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت اختیار کر کے غارِ حرا میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ آخر کار اللہ کا اَمر نازل ہوا۔ امین الوحی جبرئیل کی آمد ہوئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے کانپتے ہوئے تشریف لائے اور حکم فرمایا، ''مجھے چادر اوڑھا دو...... مجھے چادر اوڑھا دو...... مجھے کمبل دے دو، مجھے کمبل دے دو۔'' پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہمیشہ باقی رہنے والا کلام فرمایا:

''ہرگز نہیں...... خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں،

کمزور کی مدد کرتے ہیں اور مظلوم کی تکلیف دُور کرتے ہیں۔'' (۶)

اسلام کی خاتونِ اوّل

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو اقصائے عالم سے ایک آواز بھی آپ ﷺ کی تائید و تصدیق میں بلند نہ ہوئی۔ صرف ایک آواز فضائے مکہ میں گونج رہی تھی، اور یہ دل آویز آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والوں میں سیدہ خدیجہ پہلی خاتون ہیں۔ (۷)

بنو ہاشم کا بائیکاٹ

قریش کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کی دشمنی میں حد سے تجاوز کیا اور مشہور مقاطعہ پیش آیا، جب قریش نے تمام مسلمانوں سے قطع تعلق کا فیصلہ کیا اور ایک دستاویز لکھ کر کعبہ پر لٹکا دی۔ اس دستاویز میں قریش نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم کی مخالفت کرو، ان کو مکہ سے نکال دو اور شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دو۔ اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ان سے شادی کریں گے نہ ان کی شادی کروائیں گے، نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے نہ بیچیں گے۔ ان سے صلح کریں گے اور نہ ہی ان کے معاملہ میں کوئی نرمی کریں گے، یہاں تک کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دیں۔

اس حالت میں مسلمانوں کی شعب ابی طالب میں نظر بندی کو تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اُن لوگوں میں سے تھیں جو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شعب ابی طالب میں داخل ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف اور سختیوں میں شریک رہیں اور اُن کے ساتھ زندگی کے دکھ اور تنگیوں کو جھیلنا گوارا کیا۔

لیکن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے ابھی تک ایمان نہ لائے تھے، اور انہیں چھوڑا بھی نہ تھا۔ ابو جہل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام سے ملا، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی اور وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا رہے تھے۔ ابو جہل نے اُن کو آواز دی اور کہا، ''کیا تو بنی ہاشم کے پاس کھانا لے کر جا رہا ہے؟ ان کے پاس کھانا لے کر نہ جا، ورنہ میں تجھے مکہ میں رسوا کر دوں گا۔''

اس موقع پر حکیم بن حزام کے دوست ابوالبختری نے جواب دیا، "یہ کھانا تو حکیم کی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے، کیا تو انہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن کا کھانا لے جائے؟" لہٰذا ابوجہل نے حکیم کا راستہ چھوڑ دیا۔

پھر وہ دونوں لڑنے لگے۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی پکڑی اور ابوجہل کو زوردار ضرب رسید کی۔

لوگوں کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی برکت نے ڈھانپ لیا، یہاں تک کہ قریش والوں نے دستاویز کو پھاڑ دیا اور مسلمان تین سال بعد مکہ واپس لوٹ آئے۔ اس عرصہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مالداری اور تونگری کے باوجود مشقت سے بھرپور زندگی گزاری۔ وہ اپنے گھر تو واپس آ گئیں، لیکن شعب ابی طالب میں ان کو لاحق ہو جانے والی بیماری اور مشقت نے ان پر گہرا اثر ڈالا، اور اُن کی نشاط بھری زندگی میں اب کچھ خفت اور کمزوری پیدا ہو چکی تھی۔ (۸)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مرض کا شکار ہو گئیں اور بیماری کے ہاتھوں لاچار ہو گئیں۔ وہ آنکھیں کھولتیں تو اپنے سامنے اپنے باوفا خاوند صلی اللہ علیہ وسلم کا پُرانوار چہرہ دیکھتیں، جس سے محبت و اپنائیت جھلک رہی ہوتی۔ لیکن آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا ہی کر سکتے تھے۔

سانحہ ارتحال

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب بنو مطلب سے باہر آئی تھیں۔ پے درپے تکالیف و مصائب کے باعث سیدہؓ کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ بالآخر رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۵ سال رفاقت کے بعد رمضان المبارک یا شوال ۱۰ نبوی میں، یعنی ہجرت سے تین سال پہلے اپنے شوہر نامدار کو داغ مفارقت دے گئیں۔ چند دنوں کے وقفے سے ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال پُر ملال ہوا۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار و غمگسار یکے بعد دیگرے دونوں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خود مصائب و آلام میں مبتلا تھے۔ (۹)

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت عمر مبارک ۶۴ سال، ۶ ماہ تھی۔ چونکہ اس وقت تک نمازِ جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی، لہٰذا سیدہؓ کو بھی اسی طرح دفن کر دیا گیا تھا۔ رحمت

عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قبر میں اترے اور اپنی غمگسار و جاں نثار زوجہ مکرمہ کو قبر کی آغوش میں رکھا۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت المعلیٰ میں مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔ (۱۰)

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہر مشکل گھڑی میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ رہیں۔ وہ ہر ایسے موقع پر آپ ﷺ کی تسکین خاطر کا موجب بنتیں اور اپنی دل ربا اداؤں سے غم غلط کر دیتی تھیں۔

كانت خديجة وزيرة صدق على الاسلام. وكان رسول الله ليسكن اليها.

ترجمہ: سیدہ خدیجہ آپ ﷺ کی وزیر اور مشیر تھیں، اسلام کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تسکین قلبی حاصل کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بوقت نکاح ۲۵ سال تھی اور سیدہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ ۲۵ سال حضور ﷺ کے ساتھ بسر فرمائے اور ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (۱۱)

جنت کی نوید

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے خصائص و فضائل اور منقبت و عظمت میں سے یہ بھی ایک عظیم المرتبت اور عظیم الشان خصوصیت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے انہیں جنت کی نوید جاں فزا اور اللہ تعالیٰ کے سلام سے نوازا گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بشر خديجة ببيت في الجنة من قصب. (۱۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں کے عالیشان محل کی خوشخبری سنائی۔

ایک روایت میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بشر خديجة ببيت في الجنة من قصب لا صخب فيه ولا نصب. (۱۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسا محل ملنے کی بشارت دی جو موتیوں کا ہوگا، اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

امرت ان ابشر خدیجة ببیت من قصب لا صخب فیه ولا نصب. (۱۴)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ طاہرہؓ کو جنت میں ایک ایسے محل کی بشارت سنا دوں جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور زحمت ومشقت نہ ہوگی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

امام سہیلی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں سے تیار شدہ محل کی بشارت دی۔ کیونکہ ان کے پاس ایمان لانے سے پہلے خالص موتی تھے اور وہ بڑے بے جوڑ تھے۔

اور جنت میں ان کو پُرسکون محل کی بشارت اس لیے دی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واحترام کی وجہ سے آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کبھی بلند نہیں ہونے دی تھی۔ (۱۵)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهی فضیلتها لا تعرف لامراة سواها. (۱۶)

ترجمہ: یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو آپ کے سوا کسی اور عورت کو میسر نہیں ہوئی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں یہ بھی ایک خاص فضیلت شمار ہوتی ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حینِ حیات کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے قلبِ اطہر میں سیدہؓ کی بیحد اُلفت اور محبت جاگزیں تھی، اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ سے بے پناہ اُنس تھا۔ چنانچہ طبرانی نے اس بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

خصائص وفضائل

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ اخلاق، بلند پایہ محاسن اور قابلِ رشک سیرت وکردار کی حامل تھیں۔ جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کفر وشرک کی ضلالت اور گمراہی کے عالمگیر اندھیروں سے نکال کر توحید خداوندی کی روشن شاہراہ پر چلانے کے لیے

مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں آوازِ حق بلند فرما رہے تھے تو کسی بھی جانب سے آپ ﷺ کی تائید وتوثیق میں آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تمام جزیرۂ عرب ایک خاموش تماشائی کی طرح معنی خیز خاموشی کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس عالمگیر خاموشی میں ایک دل آویز آواز اُٹھتی ہے، جو فضائے مکہ میں ہلچل بپا کر دیتی ہے۔ اور وہ مونس وغمگسار آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تھی، جو اُن کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے بلند ہوتی تھی اور جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوارِ الٰہی کی تجلی گاہ تھی۔

یہ خاتونِ جنت زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے نفور اور دُور تھیں۔ ایک مرتبہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، قسم بخدا! میں کبھی بھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔ سیدہؓ نے جواباً عرض کیا، لات کو جانے دیجیے، عزیٰ کو چھوڑیے۔ یعنی ان کا تو ذکر ہی نہ کیجیے۔ (۱۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ! خدیجہ حاضرِ خدمت ہو رہی ہیں اور آپ ﷺ کے لیے برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہیں۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے، اور انہیں جنت میں موتیوں کے عالیشان محل کی خوشخبری سنا دیجیے، جس میں نہ شور وغل ہوگا اور نہ ہی کوئی تکلیف۔ (۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے ہیں۔ سیدہؓ نے یہ سن کر فرمایا، حق تعالیٰ جل مجدہٗ خود "سلام" ہیں اور جبرئیل پر بھی سلام ہو اور آپ ﷺ پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے فرمایا، "یہ خدیجہؓ ہیں۔" جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میرا سلام کہہ دیجیے۔ (۱۹)

امام عز الدین ابو الحسن بن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں وہ پہلی شخصیت ہیں جو اسلام لائیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والی خدیجہؓ ہی ہیں اور اس معاملہ میں کوئی مرد یا عورت ان کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکا۔ اور یہ انتہائی عظیم منقبت ہے، جس میں ام المومنین سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ثانی نہیں۔ (۲۰)

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں ولادت ہوئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برجِ سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی نورانی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں۔ بنابریں "عائشہ" اسلام کی ان مایہ ناز برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی قبیح آواز نہیں سنی۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

"جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا، اُن کو مسلمان پایا۔" (۲۱)

نام و نسب

نام نامی اسمِ گرامی عائشہ، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبداللہ (۲۲) کنیت، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمیرا (۲۳) اور بنت الصدیق کے لقب سے بھی خطاب فرمایا۔ (۲۴)

والدِ مکرم کی طرف سے نسب

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی، ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ، خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲۵)

والدہ کا اسمِ گرامی زینب اور اُم رومان کنیت تھی۔ ان کے والد کا نام عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع ابن دھمان بن الحارث بن غنم بن مالک تھا۔ (۲۶)

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا باپ کی طرف سے قریشیہ، تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ اس نسب نامہ کی رُو سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں یا آٹھویں پشت پر، اور والدہ کی طرف سے گیارھویں بارھویں

پشت پر مل جاتا ہے۔

کنیت

عرب میں کنیت شرافت ونجابت کا امتیازی نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ہر مرد وزن اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اولاد کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوئی تھیں، اس لیے کنیت کے اعزاز سے محروم تھیں۔ ایک مرتبہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حسرت کے ساتھ عرض پرداز ہوئیں کہ آپ ﷺ کی دوسری بیویوں نے تو اپنی سابق اولاد کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے، لیکن میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں؟

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر کنیت رکھ لو۔ چنانچہ اسی دن سے "ام عبداللہ" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت قرار پائی۔ [۲۷]

ایک روایت میں ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انہیں گود میں اٹھا کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئی۔ آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک میں کھجور چبا کر اُن کے منہ میں ڈالی، اور یہ پہلی مقدس چیز تھی جو پیدا ہونے کے بعد اُن کے پیٹ میں گئی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هذا عبدالله و انت ام عبدالله. [۲۸]

ترجمہ: اس کا نام عبداللہ ہے اور آپ ام عبداللہ ہیں۔

ابوبکر بن خثیمہ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میری تمام ساتھیوں کی کنیتیں ہیں، آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرما دیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تو بھی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لے۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ نے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی، جو آپ کی وفات تک رہی۔ [۲۹]

"حمیرا" لقب کے متعلق سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) لکھتے ہیں:

جن روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب "حمیرا" (گوری) ہے، محدثین کے نزدیک وہ سنداً ثابت نہیں ہیں۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا ہے، جھوٹی اور

من گھڑت ہے۔ [۳۰]

بہر حال مصنفین کتب رجال نے "حمیرا" آپ کا لقب لکھا ہے اور لغات الحدیث، مثلاً مجمع البحار اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ "حمرا" اس کی تصریح ملتی ہے۔ [۳۱]

علامہ محمد طاہر الصدیقی (م ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں:

"خذوا شطر دينكم من الحميراء يعنى عائشة تصغير "الحمراء" يريد البيضاء." [۳۲]

امام الجرح والتعدیل شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"و كانت امرأة بيضاء جميلة ومن ثم يقال لها، الحميراء." [۳۳]

امام الحافظ ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) سیدہ کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

ومنهم الصديقة بنت الصديق، العتيقة بنت العتيق حبيبة الحبيب، وأليفة القريب سيد المرسلين محمد الخطيب، المبرأة من العيوب، المعرأة من ارتياب القلوب، لرؤيتها جبريل، رسول علام الغيوب، عائشه ام المومنين رضى الله عنها. [۳۴]

ترجمہ: اور اُن میں سے صدیقؓ کی بیٹی صدیقہ، عتیقہ بنت عتیق، الحبیبؐ کی محبوبہ، سید المرسلین محمد الخطیب سے محبت کرنے والی، دلوں کے شکوک سے عاری، علام الغیوب کے قاصد جبرئیل کو دیکھنے والی، عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

امام شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) سیدہ کا حسب ونسب یوں بیان فرماتے ہیں:

بنت الامام الصديق الاكبر، خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم ابى بكر عبدالله بن ابى قحافة عثمان بن عامر بن عمرو بن كعب بن سعد بن تيم بن مره بن كعب بن لوى. القرشية، التيمية، المكية، النبوية، ام المومنين زوجة النبى صلى الله عليه وسلم افقه نساء الامة على الاطلاق. [۳۵]

حریم نبوت میں آمد

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا حریم نبویؐ میں داخل ہونا اور عقد

مسنون کے وقت عمر مبارک کے سلسلہ میں امام محمد بن یوسف الدمشقی برد اللہ مضجعہ (م ۹۴۲ھ) کی بیان کردہ روایات اسی ترتیب سے شاملِ کتاب کی جا رہی ہیں، تاکہ سیّدہ کی عمر کے متعلق جو شبہات پائے جاتے ہیں، اُن کا مؤثر ازالہ ہو جائے۔

جب ام المومنین سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو بعد میں حضرت خولہ بنت حکیم زوجہ مکرمہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں۔ یارسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کس سے؟ حضرت خولہؓ نے کہا، بیوہ اور دوشیزہ دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ ﷺ پسند فرمائیں۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا، دوشیزہ تو آپ ﷺ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہؓ ہے، اور بیوہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لا چکی ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت گزار ہیں۔ ارشاد ہوا، بہتر ہے کہ تم ان دونوں کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہؓ ام رومانؓ کے پاس گئیں اور کہا، اے ام رومان! اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر میں خیر و برکت کے نزول کا ارادہ فرما لیا ہے۔ ام رومانؓ نے عرض کیا، وہ کیسے؟ خولہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کے لیے پیغام دیا ہے۔ ام رومانؓ نے اس پر اپنی خوشی اور رضا کا اظہار کیا اور کہنے لگیں، ابوبکرؓ کا انتظار کر لیا جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے پر حضرت خولہؓ نے پیغام دیا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح سگے بھائی کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، خولہ! عائشہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔ آپ ﷺ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟

حضرت خولہؓ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر استفسار کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں، دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہؓ جبیر بن مطعم سے منسوب ہو چکی تھی، اس لیے ام رومانؓ

نے حضرت خولہؓ سے کہا کہ مطعم بن عدی نے بھی اپنے بیٹے کے لیے عائشہؓ کی بات کی تھی، اور بخدا! ابوبکر کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس اس کی بیوی "ام الفتی" بھی موجود تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا، تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا ارادہ ہے؟ مطعم اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اور اُس سے پوچھا، کیا خیال ہے؟ بیوی نے کہا، اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا لڑکا بددین ہو جائے گا (اس لیے یہ رشتہ ہمیں منظور نہیں)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم کو مخاطب کر کے فرمایا، آپ بتائیں، آپ کی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا، آپ نے جواب تو سن لیا ہے۔

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹ آئے اور انہیں خلاف ورزی کا اندیشہ نہ رہا۔ گھر آ کر حضرت خولہؓ سے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا لائیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنی صاحبزادی کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا۔

ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میرا نکاح کر دیا گیا، پھر میں دو سال (والدین کے گھر) رہی۔ پھر جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور دار بنی الحارث بن الخزرج میں ٹھہرے، بیماری کی وجہ سے میرے بال جھڑ گئے اور بہت چھوٹے ہو گئے تھے۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی۔ والدہ نے میرا منہ ہاتھ دھلایا اور بال درست کیے۔ پھر مجھے ساتھ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر آئیں۔ مجھے آپ ﷺ کے پاس پہنچایا۔ اس وقت آپ ﷺ کے حجرہ مبارک میں مردوں اور عورتوں کا اجتماع تھا۔ مجھے حجرہ میں بٹھا دیا۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں اور اسے آپ ﷺ سے برکت عطا فرمائے۔

جب لوگ چلے گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ قسم بخدا! نہ تو میرے نکاح کے موقع پر کوئی اونٹ یا بکری ذبح کی گئی، سوا اس کے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے ایک بڑے پیالے میں کھانا آیا تھا۔ (۳۶)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جنہوں نے اپنے والدین سے سچائی کا دودھ نوشِ جان کیا اور خوانِ نبوی سے غذا پائی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین میں یکتا اور رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت کا محور تھیں، جو ہر طرف سے خیر کی تمام صفات کے ساتھ متصف تھیں، اسی لیے انہیں "صدیقہ" کا عظیم الشان لقب عطا ہوا۔

ہجرت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکے ہی میں رہیں۔ دو برس تین مہینے مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔ (۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے جانے کے بعد جب کچھ اطمینان ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال کو لانے کے لیے حضرت زید بن حارثؓ اور اپنے غلام ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک آدمی بھیج دیا۔

چنانچہ زیدؓ بن حارثہ، ان کے فرزند حضرت اسامہ اور اُن کی بیوی ام ایمن اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم اور آپ کی زوجہ مکرمہ سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ اور حضرت عائشہ کی والدہ مکرمہ ام رومان اور حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر اور ان کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین پر مشتمل مختصر سا قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ (۳۸)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلّہ میں اتریں اور سات آٹھ ماہ یہیں اپنی والدہ مکرمہ کے ساتھ قیام پذیر ہوئیں۔ (۳۹)

منامی بشارت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو یہ منفرد نوعیت کا اعزاز بھی حاصل ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے اللہ جل مجدہٗ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تصویر خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی اور یہ ایمان افروز مژدہ بھی سنایا کہ دنیا و عقبیٰ میں آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، نکاح سے پہلے تُو مجھے تین رات دکھائی گئی۔ جبرئیلؑ ایک ریشمی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹ کر لائے اور کہا، یہ آپ کی بیوی ہیں۔ تو میں نے اسے کھولا تو دیکھا کہ وہ تم ہو۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا۔ (۴۰)

مسند احمد اور بخاری شریف کی روایت میں "اریتک فی المنام مرتین" کے الفاظ ہیں، اور مسلم شریف کی روایت میں "ثلث لیال" کے الفاظ ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن عائشہ ان جبرئیل جاء بصورتها فی خرقة حریر خضراء الی النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال ان هذه زوجتک فی الدنیا والآخرة. (۴۱)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السّلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر سبز ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور کہا، یہ آپ ﷺ کی بیوی ہیں، دنیا اور آخرت میں۔

بخاری شریف کی روایت اس طرح ہے:

قال رسول اللہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اریتک فی المنام مرتین اذا رجل یحملک فی سرقة حریر، فیقول هذه امراتک. فاکشفها فاذا هی انت. فاقول ان یکن هذا من عنداللّٰہ یمضه. (۴۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے تم خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ ایک شخص تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے لے جا رہا ہے، اس نے مجھ سے کہا، یہ آپ کی بیوی ہیں۔ اس کے چہرے سے پردہ ہٹایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ تم ہی تھیں۔

بخاری کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اریتک قبل ان اتزوجک مرتین. رایت الملک یحملک فی سرقة من حریر. فقلت له اکشف فاذا کشف فاذا هو انت. فقلت ان یکن هذا من عنداللّٰہ یمضه. ثم اریتک یحملک فی سرقة من حریر. فقلت اکشف فکشف فاذا هی انت. فقلت ان یک هذا من

عند الله يمضه. (٤٣)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سے شادی کرنے سے پہلے مجھے تم دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا، ایک فرشتہ تمھیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے اس سے کہا، اسے کھولو۔ اس نے کھولا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ تم مجھے دوبارہ دکھائی گئیں۔ فرشتہ تجھے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا۔ میں نے کہا، اسے کھولو۔ فرشتے نے کھولا تو تم ہی تھی۔ میں نے دل میں کہا، اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ پورا کر دے گا۔

علامہ زرقانی (م ١١٢٢ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دیکھ کر یہ کہنا، ''اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا''، آپ ﷺ نے کچھ شک کا اظہار فرمایا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، یہ ''شرط'' ثبوت کو یقینی طور پر محقق کرنے کے لیے عائد کی گئی ہے، جس طرح کوئی بادشاہ کسی سے انتقام لینا چاہے اور یوں کہے:

ان كنت سلطانا انتقمت منك.

یعنی: میرا بادشاہ ہونا مقتضی ہے انتقام لینے پر۔

اور قاضی عیاضؒ کہتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خواب بعثت سے پہلے دیکھا ہو، اس لیے کوئی اشکال وارد نہیں ہوا۔ اور اگر نبوت کے بعد دیکھا ہو تو پھر تردد کا اظہار اس بنا پر ہوا کہ عائشہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں میری زوجہ ہوگی یا صرف آخرت میں۔

اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ لفظ ''ان'' ''بلیغ معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا یہ ''تجاہل عارفانہ'' کا اظہار تھا۔ بظاہر لفظ شک کا بول کر یقین کو واضح فرمایا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ لفظ ''ان'' اس لیے استعمال فرمایا ہو کہ یہ خواب ظاہراً اور حقیقتاً وحی ہے یا خواب تو وحی ہی ہے، مگر اس کی تعبیر درکار ہے۔ یہ دونوں احتمال انبیاء کے حق میں جائز ہیں۔ (٤٤)

جنت میں رفاقت کی بشارت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھیں جنت میں

بھی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کی بشارت دنیا میں ہی سنا دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عائشه زوجتي في الجنة. (٤٥)

ترجمہ: عائشہ جنت میں بھی میری بیوی ہوں گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں آپ ﷺ کی کون سی بیویاں ہوں گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو بھی اُن میں سے ایک ہے۔ (٤٦)

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔ (٤٧)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هي زوجته في الدنيا والآخرة. (٤٨)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اور میں! آپ ﷺ نے فرمایا:

اما ترضين ان تكوني زوجتي في الدنيا والآخرة. (٤٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے عائشہؓ! تو قیامت کے دن میری آل میں سے اٹھائی جائے گی۔ (٥٠)

حبالۂ عقد میں آنے کی تاریخ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں کب آئیں، ازدواج کی تاریخ کون سی تھی؟ مختلف روایات میں حسب ذیل تصریحات بیان کی گئی ہیں:

ولقد هلكت قبل ان يتزوجني بثلاث سنين. (مسند، ج ٦، ص ٥٨)

توفيت خديجة قبل مخرج النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة بثلث سنين، فلبث سنتين او قريبًا من ذلك و نكح عائشة.

علامہ ابن الاثیرؒ (م ٦٣٠ھ) بیان کرتے ہیں کہ ابو عبیدہ کہتے ہیں:

سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو سال قبل الہجرت عقد فرمایا تھا، اور یہ کنواری تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین سال پہلے نکاح فرمایا۔ اور حضرت زبیرؓ کا قول ہے کہ سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے تین سال بعد نکاح کیا گیا، اور سیّدہ خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا تھا۔ (۵۱)

مکارمِ اخلاق

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ، صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا اخلاق و کردار کی پاکیزگی، زہد و ورع، جود و سخا، راست گفتاری، شیریں کلامی، فصیح و بلیغ طرزِ ادا، ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، زبردست حافظہ، ملکۂ استنباطِ مسائل و حلِ مشکلات، مجتہدانہ بصیرت و علمی فیضان میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھیں۔ علم تفسیر حدیث، فقہ، کلام، تصوف و اخلاق، سیر و تاریخ اور شعر و ادب ہر گوشہ و شعبۂ علم میں ائمۂ فن آپ کی عبقریت و عظمت اور جلالت و امامت کے معترف نظر آتے ہیں۔

آپ کا بچپن سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں گزرا، جن کا دولت کدہ دورِ جاہلی اور ابتدائے عہدِ اسلامی میں مادی و روحانی غذا کا مرکز تھا۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول:

"سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ سے قریش دوگونہ صفات علم و طعام کی وجہ سے مانوس تھے۔ چنانچہ وہ جب اسلام لائے تو اُن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی سب مسلمان ہوگئے تھے۔" (۵۲)

عنفوانِ شباب کا زمانہ کاشانۂ نبویؐ میں بسر ہوا، جو اسلام کی دعوت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت کا معدن و سرچشمہ تھا۔ سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد بقیہ زندگی یادِ الٰہی اور علم و دین کی خدمت میں گزری۔ انہی وجوہ کی بنا پر مورخین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

زہد و قناعت

سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سیّد الزاہدین تھے۔ پیٹ بھرنے اور خوش ذائقہ چیزیں حاصل کرنے اور جمع کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عام بندوں کی طرح بندہ اور نبی بن کر رہیں، اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن کر رہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السّلام کی طرف مشورہ لینے کے طور پر دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں۔ لہٰذا میں نے جواب دیا کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح رہنا پسند کرتا ہوں۔

پھر سیّدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے، میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے، اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔

سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فقر اختیاری تھا۔ اگرچہ آپ ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری تین چار سال ازواجِ مطہرات کے لیے ایک سال کے لیے خرچ کا انتظام فرما دیا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی صحبت کے اثر سے آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بھی اسے خیرات کر دیتی تھیں اور خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں۔

حضرت مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا۔ پھر ارشاد فرمایا، اگر میں پیٹ بھر کر کھا لوں اور اس کے بعد رونا چاہوں تو رو سکتی ہوں۔ میں نے عرض کیا، آخر کیوں؟ فرمایا، میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اللہ کی قسم! کسی دن بھی دو مرتبہ آپ ﷺ نے گوشت روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ (۵۳)

ایک روایت میں ہے:

"اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے، لیکن رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔" (۵۴)

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، فخرِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر والوں پر چراغ روشن کیے بغیر اور چولہے میں آگ جلائے بغیر کئی کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا (جس سے چراغ روشن کیے جاتے تھے) تو تھوڑا ہونے کی وجہ سے چراغ روشن کرنے کے

بجائے بدن یا سر پر مل لیتے اور چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں لے آتے تھے۔ (۵۵)

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تین صاع جَو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔ (۵۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا دنیا سے اعراض اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے زہد کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سیدہؓ دنیا سے بیزار اور اُس کی رنگینیوں سے بے خبر اور اپنی محبوب چیز یعنی اعمال کے کھو جانے پر رونے والی تھیں۔'' (۵۷)

سیدہ زہد میں بھی اسی طرح ضرب المثل تھیں، جس طرح وہ سخاوت میں ضرب المثل تھیں۔

جود وسخا

اخلاقی حیثیت سے بھی سیدہؓ انتہائی بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔ وہ نہایت قانع تھیں۔ غیبت سے احتراز کرتی تھیں۔ احسان کو قبول کرتیں۔ اگرچہ خودستائی پسند نہ تھی تاہم نہایت خوددار تھیں۔ شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔ لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا سب سے نمایاں وصف جود وسخا تھا۔ نہایت فیاض، غریب پرور اور مہمان نواز تھیں۔ سیدہ عائشہ اور اُن کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہن دونوں نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، میں نے ان دونوں سے بڑھ کر سخی اور صاحب کرم کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں، جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی، اُسے راہِ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ اور سیدہ اسماءؓ کے ہاتھ جو کچھ آتا تھا، فوراً خیرات کر دیتی تھیں، جمع نہیں کرتی تھیں۔ (۵۸)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اکثر مقروض رہتی تھیں۔ اِدھر اُدھر سے قرض لیتیں اور لوگوں کی حاجات پوری فرماتی تھیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا، آپ کو قرض لینے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی قرض ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرماتا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کی اس اعانت ہی کی متلاشی ہوں۔ (۵۹)

خیرات میں تھوڑے، بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں۔ ایک دفعہ ایک سائلہ آئی جس کی گود میں دو ننھے منے بچے تھے۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں کھجور کے ایک دانہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سیدہؓ نے وہی دے دی۔ اس عورت نے اسی کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا۔ (۶۰)

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ۱۷ر رمضان المبارک ۵۸ھ کو نمازِ وتر کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ (۶۱)

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ عیسوی تاریخ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

۱۳ر جون ۶۷۸ء، نمازِ وتر کے بعد رات کے وقت وفات پائی۔ (۶۲)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں علم وعرفان کا یہ مہتاب عالم تاب قبر کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

ام المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

آپ کا نام نامی اسمِ گرامی سوڈہ تھا۔ قریش کے ایک مشہور قبیلہ، عامر بن لوئی سے تعلق تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلۂ نسب اس طرح ہے، سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ والدہ کی طرف سے نسب یوں ہے، الشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ (۶۳)

شموس کی والدہ خواجہ عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھی، اس وجہ سے بنونجار سے تعلق تھا۔ اور سیّدہ سوڈہ کی کنیت "ام الاسود" تھی۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آنے سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود کے نکاح میں تھیں۔ سکران، حضرت سوڈہ کے والد کے چچازاد بھائی تھے، اور سہیل بن عامر بن لوئی حاطب اور سلیط کے بھائی تھے۔ (۶۴)

قبولِ اسلام

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نامدار نے بھی دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس بنا پر دونوں میاں بیوی کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سوڈہ اور اُن کے شوہر مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے اور قریش مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے۔ لیکن جب مشرکین کا ظلم وستم اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہوگئی۔ ان میں سیّدہ سوڈہ اور اُن کے شوہر سکران بھی شامل تھے۔ کئی برس حبشہ میں گزارنے کے بعد جب سیّدہ سوڈہ اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آئیں تو اُن کے خاوند سکران کا مکہ مکرمہ میں انتقال

ہو گیا۔ (۶۵)

حریمِ نبوت میں آمد

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا شوہر کے وصال کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ مورخین کرام کی تصریحات کے مطابق ام المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلی خاتون جسے "ام المومنین" ہونے کا شرف حاصل ہوا، وہ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

امام ابن سعد (م ۲۳۰ھ) رقم طراز ہیں:

فكانت اوّل امرأة تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد خديجة. (۶۶)

ترجمہ: حضرت خدیجہؓ کے وصال کے بعد سب سے پہلی عورت جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا، وہ سودہ تھیں۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رمضان المبارک دس نبوی میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے نکاح کیا۔ اور حضرت سوڈہ مکہ ہی میں آپ ﷺ کے گھر آ گئیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ (۶۷)

سیّدہ خدیجہؓ کے وصال کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت سوڈہ سے نکاح فرمایا تھا۔ ان دونوں میں سے پہلے کس سے نکاح فرمایا؟ سیرت نگاروں نے اس میں دو قول نقل فرمائے ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ بعض مورخین کے نزدیک پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اور بعد میں حضرت عائشہؓ سے عقد فرمایا، لیکن حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے مسند امام احمد کی ایک روایت سے استدلال فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ سیّدہ خدیجہؓ کے وصال کے بعد آپ ﷺ نے پہلے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں:

وكانت اوّل امرأة تزوجها بعدي. (۶۸)

ترجمہ: میرے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ نے جس سے نکاح کیا، وہ سودہؓ تھیں۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں سودہؓ کے والد کے پاس گئی جو نہایت بوڑھے تھے اور انہیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق ''انعم صباحا'' کہہ کر سلام کیا۔ انہوں نے دریافت کیا، کون ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا، ''خولہ''۔ انہوں نے کہا، مرحبا! کیسے آنا ہوا؟

حضرت خولہؓ نے جواب دیا، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی طرف سے آپ کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔ انہوں نے سن کر کہا، ہاں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک شریف کفو ہیں (ھو کفو کریم) لیکن معلوم نہیں سودہ کی کیا رائے ہے؟ حضرت خولہؓ نے کہا، اسے یہ پیشکش قبول ہے۔

حضرت سودہؓ کے والد ماجد نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائیں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر زمعہ نے اپنی صاحبزادی سودہؓ سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ ان کے مبارک الفاظ اس طرح ہیں:

ای سودۃ رفعت ھذہ ان محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب یخطبک، وھو کفو کریم افتجبین ان ازوجہ. قالت نعم.

ترجمہ: اے جانِ پدر! یہ خولہ کہتی ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، میرے نزدیک انتہائی عزت دار گھرانہ ہے، کیا تو راضی ہے کہ تیرا نکاح ان سے کر دوں؟ حضرت سودہؓ نے کہا، جی ہاں، میری رائے بھی یہی ہے۔

غرض اس طرح بحسن وخوبی اور خوش اُسلوبی سے تمام مراحل طے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے اور حضرت سودہؓ کے والد گرامی قدر نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح ہو جانے کے بعد حضرت سودہؓ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ، جو اُس وقت تک دولتِ ایمان سے محروم تھے، آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ سودہؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے تو اُسے سخت رنج ہوا۔ اور اپنے غم والم کا اظہار سر میں خاک ڈال کر کیا۔ بعد ازاں جب وہ دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے تو ساری زندگی اپنی اس حماقت پر افسوس کرتے اور کفِ حسرت ملتے رہے۔ (۶۹)

غیبی اشارہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب سکرانؓ کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور آ کر اُن کی گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند سکرانؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا، اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرا انتقال ہو جائے گا اور تیرا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ پھر خواب میں دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں اور چاند ٹوٹ کر اُن پر گر گیا ہے۔ یہ خواب بھی انہوں نے شوہر سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا، اگر تمہارا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں عنقریب انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ اسی روز سکرانؓ بیمار پڑے اور کچھ دنوں بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی۔

ہجرت

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک مکہ معظمہ میں اقامت گزیں رہے۔ پھر جب اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور دونوں حضرات اپنے اہل وعیال کو مکہ میں چھوڑ گئے، جن میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

مدینہ پہنچ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا اور فرمایا، ایک اونٹ قدید کے مقام سے خرید لینا، تا کہ حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ کو لے آئیں۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے کنبے کو اپنے ساتھ مدینہ لے کر گئے، جن میں سیدہ صدیقہ اور اُن کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہن بھی تھیں۔ (۷۰)

زہد وتقویٰ

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ میں بلند شان کی حامل تھیں۔ علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) رقم طراز ہیں:

وكانت ذات عبادة و ورع و زهادة. (۷۱)

ترجمہ: حضرت سودہؓ عبادت، تقویٰ اور زہد والی خاتون تھیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ اس پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں، اب رسولِ خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ (۷۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد سب ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کئی حج کیے، لیکن سیدہ زینبؓ بنت جحش اور سیدہ سودہؓ بنت زمعہ نے آپ ﷺ کے بعد کوئی حج نہیں کیا اور برابر گھر میں رہیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں، ''بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔'' (۷۳)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مامن امرأة احد احب الى ان اكون فى مسلاخها من سودة الا ان فيها حدة تسرع منها. (۷۴)

ترجمہ: حضرت سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔ ان میں صرف اتنی بات تھی کہ مزاج میں تیزی تھی، جو ظاہر ہو جاتی تھی اور جلد چلی جاتی تھی۔

ظرافت

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہنسا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ عرض کرنے لگیں کہ کل رات میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نفل نماز پڑھی۔ باوجودیکہ میں ساتھ تھی، آپ ﷺ نے اتنا لمبا رکوع کیا، جس سے مجھے نکسیر پھوٹ جانے کا خوف ہوا اور میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی۔ یہ سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ (۷۵)

حکمِ حجاب

عرب کے قدیم طرز کے مطابق عورتیں قضاء حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں۔ سیدنا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ عورتوں کے لیے پردہ کا حکم نازل ہو جائے، خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پردہ کے بہت ہی خواہاں تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے بغیر حکم جاری نہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی بیویاں بھی دیگر صحابیات کی طرح رات کے وقت قضاء حاجت کے لیے جنگل جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کو جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ سیدہ کے دراز قد ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپٹی ہوئی تھیں، پھر بھی قد کی وجہ سے پہچان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی، اے سودہؓ! ہم تمہیں پہچان گئے۔ اور ان کی خواہش یہ تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرما دیا۔ (۷۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ایک رات سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے نکلیں۔ راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ سیدہ سودہؓ دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ جو انہیں جانتا تھا، اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے پہچان لیا اور بولے، سودہؓ! ہاں خدا کی قسم! آپ ہم سے اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتیں۔ دیکھئے آپ کس طرح باہر نکلی ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری۔ الٹے پاؤں وہاں سے واپس آ گئیں۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں اس گوشت کی ایک ہڈی تھی۔ حضرت سودہؓ نے داخل ہوتے ہی عمرؓ کی شکایت کرتے ہوئے کہا، یا رسول اللہ! میں قضاء حاجت کے لیے نکلی تو عمرؓ نے مجھے یہ باتیں کہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ اب بھی ہڈی آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں تھی، آپ ﷺ نے اسے رکھا نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں قضاء حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (۷۷)

سانحۂ ارتحال

ایک مرتبہ ازواج مطہراتؓ بارگاہِ رسالت پناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عرض کرنے لگیں، یارسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کس کا انتقال ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا.

ترجمہ: تم میں سب سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔

انہوں نے ظاہری ہاتھ کی لمبائی سمجھی۔ ہاتھ ناپے گئے تو سب سے زیادہ دراز ہاتھ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کی مراد سخاوت اور فیاضی تھی۔ (۷۸)

امام ابن سعد (م ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

توفیت سودة بنت زمعة بالمدینة فی شوال سنة اربع و خمسین فی خلافة معاویة ابن ابی سفیان. (۷۹)

علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ام المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بیان کی ہے۔ اور یہی قول علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن ابی خیثمہ سے نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے:

ویقال ماتت سنة اربع و خمسین، ورجحه الواقدی. (۸۰)

ترجمہ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی، اور واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن جوزیؒ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی وفات ۵۴ھ ہی ذکر کی ہے۔ اور آخر میں ابن خیثمہ کا قول بھی نقل کر دیا ہے:

توفیت فی اخر خلافة عمر بن الخطاب واللہ تعالٰی اعلم. (۸۱)

اولاد

ام المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے شوہر سکرانؓ سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوا۔ انہوں نے جنگ جلولاء (فارس میں) جام شہادت نوش فرمایا۔ لیکن سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۸۲)

مرویاتِ حدیث

حریم نبوت میں رہنے کی وجہ سے ام المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ تاہم کتب احادیث میں ان سے صرف پانچ احادیث مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس، سیّدنا عبداللہ بن زبیر، سیّدنا یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن زرارہ رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کی ہے۔ (۸۳)

ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام حفصہ، والد کا نام عمرؓ بن الخطاب۔ سلسلۂ نسب یہ ہے، حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔

والدہ کا نام زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔ سیّدہ حفصہؓ کی والدہ محترمہ زینب، مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ (۸۴)

سیّدہ حفصہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ حقیقی بہن بھائی ہیں، یعنی دونوں کی والدہ حضرت زینب ہیں۔

ولادت باسعادت

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف تھے۔ (۸۵)

ازدواجی زندگی

جب سیّدہ جوان ہوئیں اور نسوانیت کامل ہوئی تو اُن کا نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس السہمی سے ہوگیا۔ ان کی خوش نصیبی کہ حضرت خنیسؓ بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''دار الارقم'' منتقل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہوگئے تھے۔

ہجرت

جب مسلمانوں پر قریش کے مظالم بڑھ گئے تو حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بھی حبشہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر گئے اور پھر مکہ مکرمہ لوٹے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ وہاں رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

جب غزوہ بدر ہوا تو قبیلہ بنو سہم کے افراد میں سے صرف حضرت خنیسؓ غزوہ میں شریک ہوئے۔ یہ بھی اللہ کا کلمہ بلند کرنے والے مجاہدین شہسواروں میں سے تھے، اور بے جگری سے لڑے اور شدید زخمی ہوئے۔ لیکن زخمی ہونے کے باوجود آخر دم تک لڑے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا۔ جب مسلمان مدینہ منورہ لوٹے تو حضرت خنیسؓ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عین جوانی میں بیوہ ہوگئیں اور انہیں اپنے شوہر نامدار کی وفات کا شدید رنج ہوا، جس کے آثار اُن کے چہرے کے حسن پر نمایاں تھے۔ لیکن انہوں نے صبر واستقلال اور ایمان کے ساتھ اس غم کو برداشت کیا۔ ان کے والد گرامی قدر اُن کے پاس تشریف لاتے اور اُن کے غم والم کو ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے اور اپنی محبت وشفقت سے ان کا دل بہلاتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے احساس، فراست اور شعور سے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ بیٹی بڑی شان والی قرار پائے گی۔

حریم نبویؐ میں آمد

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عبادت گزار اور متقی خواتین میں سے صاحب فضیلت خاتون تھیں، اور اُن کا شمار اُن پاکباز یقین والی صابر خواتین میں ہوتا تھا، جنہوں نے عبادت وریاضت کے میدان میں بلند مثالیں قائم کیں۔

ان کے والد اپنی عفت مآب صاحبزادی میں یہ صفات دیکھ کر بہت خوش بھی ہوتے، مگر ساتھ ہی اس کی نوعمری میں بیوگی سے رنجیدہ خاطر بھی ہوتے۔ انہیں اپنے گردوپیش حفصہؓ کے رتبے کے آدمی کی تلاش بھی تھی۔ بالآخر اُن کی نظر انتخاب ایک ایسے مرد صالح پر پڑی جو سابقون الاولون کی صفت سے متصف تھا (یعنی حضرت عثمانؓ)، جو اپنی رفیقۂ حیات حضرت رقیہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اکیلے رہ گئے تھے۔ چنانچہ سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تعزیت کرنے اور اُن کے غم واندوہ کو ہلکا کرنے تشریف لے گئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی بیٹی کی نسبت کی پیشکش بھی کر دی کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح حفصہؓ سے کر دوں۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا، میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دن انتظار کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ فی الحال شادی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے ملال ہوا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کی بات کی۔ مگر وہ خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے توجہی سے کچھ رنج ہوا۔ بعد میں خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ کچھ روز بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے کہا، عمر! چند دن قبل تم نے مجھے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا اور تمہیں میری خاموشی، بلکہ بے التفاتی ناگوار گزری۔ لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۸۶)

ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب خنیسؓ بن حذافہ جنگِ بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی، لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے عثمانؓ سے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیشکش ٹھکرا دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ جل شانہٗ نے عثمانؓ کا نکاح تیری بیٹی سے بہتر عورت سے کر دیا اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا۔"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیشکش اس وقت کی جبکہ اُن کی اہلیہ

محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا، اور ان دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیشکش سے اعراض کیا تھا۔ چنانچہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ (۸۷)

عبادت و ریاضت

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ان نیک سرشت اور پاک طینت عبادت گزار خواتین میں شمار ہوتی ہیں جو ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں منہمک رہتی ہیں۔ سیدہؓ کثرت سے صوم و صلوٰۃ میں مشہور تھیں اور یہ دونوں صفات عبادت کی اعلیٰ اور اہم منزلیں ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صفات کی حامل خواتین سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا "دین دار خاتون تلاش کرو۔"

ایک روایت میں ان کی عبادت گزاری کا یوں تعارف کرایا گیا ہے:

اِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ. (۸۸)

ترجمہ: سیدہ حفصہؓ صائم النہار اور قائم اللیل ہیں۔

دوسری روایت میں ہے:

مَاتَتْ حَفْصَةُ حَتّٰى مَا تُفْطِرَ. (۸۹)

ترجمہ: حضرت حفصہؓ نے اس حال میں وفات پائی کہ روزے پر روزے رکھتی جاتی تھیں۔

كَانَتْ صَالِحَةً. (۹۰)

ترجمہ: وہ نیکوکار خاتون تھیں۔

تفقہ فی الدین

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو مصاحبت نبویؐ سے علمی فیوض و برکات سے بھی وافر حصہ حاصل ہوا۔ سیدہ سے ۶۰ احادیث مروی ہیں جو انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد مکرم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔

سیّدہ میں تعلیم کا ذوق بھی پایا جاتا تھا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت شفا عدویہ رضی اللہ عنہا کو چیونٹی کے کاٹنے کا منتر آتا تھا۔ ایک دن وہ آئیں تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں فرمایا کہ تم حفصہ کو منتر سکھا دو۔ (۹۱)

تفقّہ فی الدین کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے:

حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس اثنا میں سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی۔ یہ سن کر سیّدہ حفصہؓ نے تعجب سے کہا، اچھا! (یہ آپ ﷺ نے کیسے فرمایا؟) حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اس بات پر جھڑک دیا۔

علمی فضیلت

ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا علم فقہ میں اچھی شہرت کی مالک تھیں، اور ان ہی صفات نے انہیں حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک بڑے محترم مقام پر فائز کر دیا تھا۔ ان کی فقہی آراء کو معتبر مانا جاتا تھا۔

ام المومنین بے شمار صحابہ کے لیے علم حدیث کا مرکز و منبع تھیں۔ خود اُن کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھریلو اعمال کی تفصیلات دریافت کرتے رہتے تھے۔

امیر المومنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ازواج مطہرات میں سے حفاظتِ قرآن کے لیے چنا تھا، اس لیے کہ یہ قرآن کی حافظہ بھی تھیں اور ممکن ہے کہ ان کی علمی برتری، تقویٰ و زہد اور عبادت و ریاضت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کا انتخاب فرمایا ہو۔

قرآن کی محافظہ

ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی اس امانت کا بارِ احسان مسلمانوں کی گردنوں پر قیامت تک رہے گا۔ جب بھی ہم تلاوت قرآن مجید سے لطف اندوز ہوں گے تو سیّدہ کی اس قرآن پاک کی اپنے گھر میں حفاظت کی فضیلت یاد آتی رہے گی۔

یوں ہی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ احسان بھی ہمیشہ یاد رہے گا جن کی تحریک اور تجویز

پر امیر المومنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے پر آمادہ ہوئے۔ انہوں نے اس مشورہ سے اتفاق کیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ تم جوان، عقل مند آدمی ہو اور پھر حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کاتبِ وحی بھی رہ چکے ہو، لہٰذا اب قرآن کے متفرق اوراق تلاش کر کے جمع کرو۔

چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چمڑے کے ٹکڑوں، تختیوں اور پتھروں پر لکھی متفرق آیات کو محنتِ شاقہ اور عرق ریزی سے جمع کیا۔ اس طرح وہ صحیفہ امیر المومنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ ان کے بعد امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس یہ امانت رہی۔ پھر سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عظیم امانت کی حفاظت کے لیے ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا، اور یہ نسخہ انہی کے پاس محفوظ رہا، یہاں تک کہ جب دورِ عثمانیؓ میں اس کی نقول کی ضرورت پیش آئی تو اُن سے خلیفۃ المسلمین نے وہ قرآن طلب فرمایا۔ اس سے دوسرے نسخے تیار کر لینے کے بعد سیّدہ حفصہؓ — قرآن کی محافظہ — کو اُن کا نسخہ واپس کر دیا۔

ام المومنینؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ قرآن مجید میرے بھائی عبداللہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔

سانحۂ ارتحال

آخر وہ وقت آ گیا جس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں۔ زوجۃ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ام المومنین، محافظۂ قرآن سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان المعظم ۴۵ھ میں ۶۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی۔ یہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت کے والیٔ مدینہ مروان بن الحکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو کاندھا دیا۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنت البقیع میں لے گئے اور اُن کے بھائی عاصم اور عبداللہ، اور عبداللہ کے تین بیٹے: سالم، عبداللہ اور حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر کے سپرد کیا۔ (۹۲)

ام المومنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام زینب اور کنیت ''ام المساکین'' تھی۔

سلسلۂ نسب اس طرح ہے: زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ (۹۳)

سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بڑی رحمدل اور جود وسخا کی حامل تھیں۔ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں انہیں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابوطالب کو غریبوں سے محبت اور اُن کے ساتھ ہم نشینی کی وجہ سے ''ابوالمساکین'' کا خطاب دیا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے اور اُن کے ساتھ ہمیشہ احسان ومروّت کا معاملہ کرتے تھے۔ ابن شہاب زہریؒ سے روایت ہے، جب زینبؓ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو اُس وقت بھی ان کی کنیت ''ام المساکین'' تھی۔ اور یہ کنیت اُن کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقراء اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ (۹۴)

سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ (۹۵)

بیوگی

سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا پہلے طفیل بن حرث کی بیوی تھیں۔ طفیل نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ پھر طفیل کے بھائی عبیدہ بن حرثؓ نے ان سے شادی کر لی۔ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں جامِ شہادت نوش فرمایا تو حضرت زینبؓ بیوہ ہو گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور عبداللہؓ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ۳ھ میں نکاح فرمایا۔ (۹۶)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے حصین یا طفیل بن الحارث کے نکاح میں تھیں۔ (۹۷)

عبداللہ کی شہادت

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ۳ ہجری میں حضرت عبداللہؓ نے غزوۂ احد کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ دعا مانگی تھی:

''اے خالق کون ومکاں! مجھے ایسا مدِ مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضبناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اُس کے ہاتھوں قتل کر دیا جاؤں، اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے، تاکہ میں جب تجھ سے ملاقات کروں اور تو مجھ سے پوچھے، عبداللہ! تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے، تو میں عرض کروں، یا باری تعالیٰ! تیرے اور تیرے رسول کے لیے۔''

بارگاہِ خداوندی میں اُن کی دعا کو شرفِ قبولیت نصیب ہوا اور ایک ہاتفِ غیبی نے انہیں شہادت کی بشارت سنائی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اس دشمن سے لڑوں گا، حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مثلہ کرے گا۔''

معرکہ بپا ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش اس بے جگری سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی، جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا اور اسی حالت میں لڑتے ہوئے مقامِ شہادت پر فائز ہوئے۔ (۹۸)

حریم نبویؐ میں آمد

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہو جانے کے بعد جب عدت گزر گئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے پیغام بھیجا، تو انہوں نے اپنے معاملہ کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دے دیا۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا۔ مہر میں بارہ اوقیہ اور ایک نش عطا فرمایا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رمضان المبارک میں غزوۂ احد سے ایک مہینہ پہلے اور ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ۳ ھ میں نکاح فرمایا تھا۔ (۹۹)

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے نکاح کرنے کے بعد انہیں ازواج مطہرات کے زمرہ میں شامل فرمایا تھا۔ (۱۰۰)

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا عین عنفوانِ شباب میں تیس سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جاگزیں ہو گئیں۔ سیّدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حبالۂ عقد میں بہت تھوڑا عرصہ رہیں۔ (۱۰۱)

سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حبالۂ عقد میں رہنے کی مدت بعض روایات میں صرف دو ماہ، اور بعض میں تین ماہ، جبکہ بعض میں آٹھ ماہ بیان ہوئی ہے۔ لیکن سیرت نگار حضرات اور مورخین اس پر متفق ہیں کہ وفات ربیع الثانی کی آخری تاریخوں میں ہجرت کے ۳۹ ماہ بعد ہوئی۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ ازواجِ مطہرات میں پہلی بیوی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (۱۰۲)

ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

ہند نام اور کنیت ام سلمہ تھی۔ قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

والدہ بنو فراس سے تھیں۔ اُن کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جزل الطعان بن فارس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔ (۱۰۳)

ابوامیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ مکرمہ کے مشہور مخیّر اور فیاض شخص تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں "زاد الراکب" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یوں سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا شکمِ مادر سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں اور اُن ہی کی آغوشِ تربیت میں نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔ (۱۰۴)

نکاح

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا، جو "ابوسلمہ" ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ (۱۰۵)

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی کے بیٹے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں۔ یہ ابوسلمہ آپ ﷺ کی پھوپھی "برہ بنت عبدالمطلب" کے بیٹے تھے اور حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ (۱۰۶)

ابوسلمہؓ سے سیّدہ ام سلمہؓ کے ہاں سلمہ، عمر، درہ اور زینب پیدا ہوئے۔

ہجرت حبشہ

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آغازِ نبوت ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔ مشرکین

کے ظلم وستم سے تنگ آ کر نہیں، بلکہ کفر وشرک کے فتنہ سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دستبرد سے بچانے کے لیے اللہ کی طرف بھاگنے والے پہلے گیارہ رُکنی قافلہ میں شامل تھیں، جو رجب ۵ ہجری حبشہ کو روانہ ہوا۔ اسی قافلہ میں سیّدہ ام سلمہؓ اپنے شوہر عبداللہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کے بعد واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل کی ہے۔ (۱۰۷)

امام نووی لکھتے ہیں:

هما اوّل من هاجر الى الحبشه. (۱۰۸)

ترجمہ: دونوں میاں بیوی نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

ہجرتِ مدینہ

مورخین اور اہلِ سیر لکھتے ہیں:

''وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں۔'' (۱۰۹)

دوسری روایت کے مطابق حضرت عامرؓ بن ربیعہ کی زوجہ محترمہ لیلیٰ بنت حثمہ پہلی عورت تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ (۱۱۰)

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو سلمہؓ سب سے پہلے مہاجر تھے جو سرزمین مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ لیکن دوسری روایت میں اوّلیت کا سہرا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر بجتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر انہیں اذیت کا ہدف بنایا۔ اس پر اُن کا مدینہ آنا گویا مشرکین کے خوف سے تھا۔ مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، لیکن اس کے برعکس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف فرما ہوئے، اس وقت مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ان دونوں روایات میں کوئی تخالف نہیں ہے۔ (۱۱۱)

بہر کیف حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ خاندان عمرو بن عوف نے انہیں پورے دو ماہ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف

آوری تک اپنا مہمان رکھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ (۱۱۲)

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن ام سلمہؓ کے قبیلہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ ابو سلمہؓ کیلیے مدینہ جا سکتے ہیں لیکن ہم اپنی بیٹی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اور بچے کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔

ام سلمہؓ بچے کو گود لیے گھر واپس لوٹ آئیں۔ ابو سلمہؓ کے گھر والے ام سلمہؓ سے شیر خوار بچے کو بھی چھین کر لے گئے۔ اب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا عجیب کرب اور اضطراب میں مبتلا ہو گئیں۔ شوہر ابو سلمہؓ مدینہ چلے گئے، لختِ جگر شیر خوار سلمہ اپنی ددھیال میں، اور ام سلمہؓ بے یارو مددگار اپنے گھر میں رہ گئیں۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بات انتہائی تکلیف دہ تھی۔ خاوند کی جدائی کے ساتھ بچے کی جدائی نے سیّدہ کو اضطراب سیمابی میں مبتلا کر دیا۔

چنانچہ سیّدہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ''ابطح'' کے مقام پر بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ روز تک یہی حالتِ زار رہی، لیکن خاندان کے لوگ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ آخر ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک آدمی سیّدہ کے پاس سے گزرا۔ انہیں روتے دیکھا تو اُس کا دل بھر آیا اور اُس کے دل میں ام سلمہؓ کے لیے رحم کے جذبات پیدا ہوئے۔ گھر آ کر اُس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اُن سے کہا، اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو، اسے مدینہ جانے دو اور اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کر دو۔

لوگوں نے اس کی بات مان لی اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کا بچہ دے کر مدینہ روانگی کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے لختِ جگر کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔

چونکہ سیّدہ کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا، بلکہ بالکل تنہا تھیں، لیکن دیارِ حبیب کا شوق انہیں کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔ جب تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ، جو اس وقت تک دائرۂ اسلامی میں داخل نہیں ہوئے تھے، کی نظر پڑی۔ عثمان نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا،

کیونکہ ان کے شوہر ابو سلمہؓ سے ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ عثمان نے پوچھا، کدھر کا ارادہ ہے؟ ام سلمہؓ نے کہا، مدینے کا۔ عثمان نے پوچھا، کوئی ساتھ بھی ہے؟ سیدہ سلمہؓ نے کہا، بس خدا اور یہ بچہ۔ عثمان نے کہا، یہ نہیں ہوسکتا کہ تم تنہا بغیر کسی مرد کے چلی جاؤ۔ یہ کہہ کر عثمان بن طلحہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ عثمان راستہ میں اگر کہیں ٹھہرتا تو اونٹ بٹھا کر خود دُور کہیں درخت کے نیچے چلا جاتا اور میں نیچے اتر جاتی۔ اور جب روانگی کا وقت ہوتا وہ اونٹ پر کجاوہ رکھ کر دُور ہٹ جاتا اور مجھے کہتا، سوار ہو جاؤ۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے ساری زندگی میں ایسا شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ اس طرح مختلف منازل پر قیام کرتا ہوا وہ مجھے مدینہ لایا۔ جب قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو کہنے لگا، اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں قیام پذیر ہیں۔ سیدہ ام سلمہؓ ادھر روانہ ہوگئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔(۱۱۳)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ایک مرتبہ میرے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" پڑھے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ اَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ ھٰذِہٖ. اَللّٰھُمَّ اخْلُفْنِیْ فِیْھَا بِخَیْرٍ مِّنْھَا.(۱۱۴)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے اس کا نعم البدل عطا فرمانا۔

بعض روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ اَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ فَاْجُرْنِیْ فِیْھَا وَاَبْدِلْ لِیْ بِھَا خَیْرًا مِّنْھَا.(۱۱۵)

بیوگی

غزوۂ احد میں سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے جگری، جاں بازی اور شوق شہادت

سے سرشار ہو کر قتال میں حصہ لیا۔ اسی موقع پر انہیں بہت گہرا زخم لگا، جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو اسد سے جہاد کرنے والی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ اس جنگ میں ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور اُس کی شدید تکلیف ہونے لگی۔ اور اسی زخم کی وجہ سے ۸/جمادی الآخر ۴ھ کو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔(۱۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عین حالت نزع میں عیادت کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی روح دیدار جمال کی منتظر تھی۔ اُدھر آپ تشریف فرما ہوئے اور اِدھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ آپ ﷺ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا:

"انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اُس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ.

ترجمہ: اے اللہ! ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے پس ماندگان کا حامی بن جا اور ہماری اور اس کی بخشش فرما۔ اے رب العالمین! اور اس کی قبر کشادہ فرما اور اسے منور فرما دے۔

ایک روایت میں ہے، جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ابو سلمہ انتقال کر گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اس طرح دعا کرو:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلَہٗ وَاَعْقِبْنِیْ مِنْہُ عُقْبٰی حَسَنَۃً.

ترجمہ: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور اُن کی بھی اور مجھے اُن کا اچھا جانشین عطا کر۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دعا کی:

فاعقبنی اللہ من ھو خیرلی منہ محمدا صلّی اللہ علیہ وسلّم. (۱۱۷)

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ان سے بہتر جانشین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے۔

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تو یہ وہم بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح کریں گے۔ ان کا تجربہ یہی تھا کہ حضرت ابوسلمہؓ سے بہترین خاوند نہیں۔ انہوں نے دعا تو کر لی مگر جی میں یہ خیال تھا کہ اس کی قبولیت کی کیا صورت ہوگی؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو لفظ بلفظ قبولیت بخشی اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔

سیّدہؓ کہتی ہیں:

ای المسلمین خیر من ابی سلمة اوّل بیت ھاجر الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم. (۱۱۸)

ترجمہ: ابوسلمہؓ سے بہتر کون مسلمان ہوسکتا ہے، یہ پہلا گھرانہ تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔

حریم نبویؐ میں آمد

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ جس کو وہ مجھ سے بیان کرتے تھے۔ اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین عطا فرما، تو دل کہتا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے یہ دعا مانگنا شروع کر دی تو اللہ رب العزت نے ابوسلمہؓ کا جانشین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا دیا۔ (۱۱۹)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ جب وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ لیکن سیّدہؓ نے انکار کر دیا۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لیے پیغام نکاح دیا، لیکن ام سلمہؓ نے انہیں بھی انکار کر دیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے چند عذر ہیں:

۱۔ میں بہت غیرت مند ہوں (جس کی وجہ سے سوکنوں کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا)۔

۲۔ میں عیال دار ہوں، یعنی یتیم بچے بھی ہیں۔

۳۔ میری عمر زیادہ ہوگئی، یعنی اب مجھ سے اولاد پیدا نہ ہوگی۔

۴۔ میرا کوئی ولی بھی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۔ جہاں تک مزاج میں غیرت زیادہ ہونے کا تعلق ہے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، تمہاری غیرت والی بات جاتی رہے گی۔

۲۔ تمہارے بچوں کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش میں تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

۳۔ میری عمر تم سے زیادہ ہے، یہ کوئی عذر نہیں۔

۴۔ رہا معاملہ ولی کا، تو تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ رشتہ ہو جانے کو ناپسند نہیں کرے گا۔

اس پر حضرت ام سلمہؓ نے کہا، اے عمرؓ! اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔

ایک روایت میں ہے:

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب میری عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاں تشریف فرما ہونے کی اجازت چاہی۔ میں اس وقت ایک چمڑے کو پکانے کے لیے رنگ دینے میں مشغول تھی۔ میں نے قرظ کے پتوں سے رنگین ہاتھ دھو لیے اور آپ ﷺ کو تشریف لانے کو کہا اور آپ ﷺ کے لیے ایک گدا بچھا دیا۔ آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے اپنے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ جب آپ ﷺ کی بات پوری ہوگئی تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مجھے آپ ﷺ سے رغبت نہ ہو، لیکن میں سخت غیرت مند ہوں، مجھے خدشہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہ آ جائے۔ اور میں بہت عمر رسیدہ ہو چکی ہوں اور میرے بچے بھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاں تک تیری نازک مزاجی اور رشک کا تعلق ہے، سو اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دُور کر دے گا۔ رہا معاملہ کبرسنی کا، تو میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں۔ اور تیرا بچوں کے لیے فکر مند ہونا، تو اب وہ تیرے بچے نہیں بلکہ اب میرے بچے ہیں۔ چنانچہ میں نے

اپنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیے۔ (۱۴۰)

یوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں شامل ہو گئیں۔

فضل وکمال

اگرچہ تمام ازواج مطہرات علمی حیثیت سے بلند مرتبہ کی حامل تھیں، تاہم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن یگانہ و فرزانہ تھیں۔ چنانچہ محمود بن لبید فرماتے ہیں:

کان ازواج النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یحفظن من حدیث النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کثیرا، ولا مثلا لعائشةؓ و ام سلمةؓ. (۱۴۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات احادیث نبوی کا مخزن تھیں۔ تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اُن میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ازدواجی رشتہ قائم ہو جانے کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی مصاحبت کو غنیمت جانا اور برابر آپ کے ملفوظات و ارشادات کو محفوظ کرتی رہیں اور آپ ﷺ سے سوالات کر کے اپنے علم کو پروان چڑھاتی رہیں۔ پھر اس علم کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننے کا بے حد شوق تھا۔ ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے۔ زبان مبارک سے نکلا ہی تھا: "ایھا الناس" (اے لوگو!)، تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے ملے ہوئے تھے)۔ آواز سنتے ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور پورا خطبہ نہایت توجہ سے سنا۔ (۱۴۲)

علمی ذوق

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مسائل کی جستجو دامن گیر رہتی اور اکثر و بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے سر کی مینڈھیاں بہت سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لیے انہیں کھول لیا کروں؟ (تاکہ بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کروں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تین مرتبہ اچھی طرح سر پر پانی بہا لیا کرو۔ (۱۴۳)

مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو غسل جنابت میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے۔ اگر مینڈھیاں بندھی ہوں تو سارے بالوں کو بھگونا فرض نہیں، جلد تک اچھی طرح پانی پہنچانا ضروری ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھائی اور فرمایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو:

اللّٰھم ان ھذا اقبال لیلک و ادبار نھارک و اصوات دعاتک فاغفرلی. (۱۴۴)

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آواز کا وقت ہے، سو مجھے بخش دے۔

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں سن وصال ۵۸ھ بیان کیا ہے۔ جبکہ واقدی کی روایت میں ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ سیدہ کا ۶۱ھ میں انتقال ہوا، جب سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تھی۔ اور ابونعیم کہتے ہیں، ۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الاصابہ" اور "تقریب" میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (۱۴۵)

ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عمر سیدہ ام سلمہؓ نے پائی اور تمام ازواج کے بعد اُن کا انتقال ہوا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک ۸۴ سال تھی۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ شوال کے آخری دنوں میں ۴ھ کو ہوا اور ذی قعدہ ۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سیّدہ کے پہلے شوہر کے دو بیٹوں، عمر اور سلمہ نے، اور عبداللہ بن عبداللہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (۱۴۶)

ام المومنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام زینب، کنیت ام الحکم، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن رِیاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔

والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس رشتہ سے سیّدہ زینب حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ (۱۴۷)

سیّدہ زینبؓ کا پہلے نام بـرہ تھا، پھر حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبدیل کر کے زینب نام رکھا۔ امام سہیلی نے بہرہ ضمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے ۳۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی، عیسوی ۵۹۰ تھا۔ قبیلہ بنو اسد خزیمہ میں پیدا ہوئیں اور بڑے ناز ونعم، عزت وجمال اور حسب ونسب کے فخر کے ساتھ ان کی پرورش ہوئی۔

اسلام

جب مکہ مکرمہ اسلام کی معطر ہواؤں سے مہک رہا تھا، اور عقلمند اور باشعور لوگ جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نجات کے متلاشی تھے اور سعادت مند لوگ دعوتِ اسلام قبول کر کے رب کی رضا حاصل کر رہے تھے، انہی ایام میں عبداللہ بن جحش نے بھی داعیٔ اسلام کو لبیک کہا۔ اس وقت تک سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ان کے ساتھ جلد ہی ان کا خاندان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا تھا، اور اُن کی بہن زینب بھی ان ایمان لانے والوں میں شامل تھیں۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

کانت قدیمة الاسلام.

ترجمہ: آپ قدیم الاسلام تھیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایک پُر خلوص، پاکباز دل کی مالک تھیں۔ اندھی جاہلیت سے متنفر تھیں۔ دل و جان سے اللہ جل مجدہٗ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسلام میں اتنی مخلص ثابت ہوئیں کہ عورتوں کی دنیا میں ورع، تقویٰ، سخاوت اور بھلائی کے اعتبار سے سردار قرار پائیں۔

ہجرت

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قرآنی فیوض سے لطف اندوز ہوتی رہیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے مسرور تھیں۔ لیکن قریش کا دستِ ستم بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کے ظلم و جور سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا۔ انہوں نے دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے موقع پر اپنے تمام خاندان یعنی دو بھائیوں (ابواحمد، عبیداللہ)، تین بہنوں (زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش) اور عبداللہ کی بیوی (ام حبیبہ بنت ابوسفیان) کے ساتھ ہجرت کی۔

عبیداللہ نے حبشہ میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوندِ خاک ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ خاندان کو واپس مکہ لے آئے اور پھر مکہ مکرمہ سے اپنے قبیلہ بنی غنم بن دودان کے تمام افراد کو، جو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔

موصوف نے اپنے کنبہ قبیلہ کے لوگوں سے مکہ مکرمہ خالی کر دیا۔ محلّہ کا محلّہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔ بنو جحش نے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ہجرت کی۔ اس پاکباز قافلہ میں ابواحمد جحش، جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے، محمد بن عبداللہ بن جحش اور خاندان کی خواتین میں سے زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش یعنی مصعب بن عمیر کی زوجہ اور ام حبیب بنت جحش، جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ محترمہ تھیں، شامل تھے۔ (۱۴۸)

ابوسفیان نے بنو جحش کے تمام گھروں پر قبضہ کر لیا۔ جب عبداللہ بن جحش نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا، عبداللہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان گھروں کے بدلے تمہیں جنت کے اعلیٰ ترین گھر عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کی، ہم راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ تمہیں ضرور ملیں گے۔

نکاح

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. (سورۃ الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ آدمی ہے جو زیادہ متقی ہے۔

اسلام کے اوّلین مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ لوگوں کے درمیان عصبیت، جاہلی غیرت اور رنگ و نسل کے امتیازات مٹا دیے جائیں، اور فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کے پیمانے سے لوگوں کے درمیان عملی مساوات کو فروغ دیا اور اس بے مقصد طبقاتی فرق کو پامال کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ زینبؓ کا سیدنا زیدؓ سے نکاح کر دینے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ آپ سیدہؓ کو ان کے ذریعہ کتاب و سنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کرانا چاہتے تھے۔

سیدہ زینبؓ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور نہایت شریف اور معزز خاندان سے تعلق تھا۔ جبکہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ موالی (یعنی آزاد کردہ غلام) سے تھے۔ اور عرب میں دستور تھا کہ کسی آزاد کردہ غلام سے نکاح باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہؓ کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو سیدہ زینبؓ اور اُن کے بھائی عبداللہ نے صاف انکار کر دیا، اور اس رشتہ پر راضی نہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ زیدؓ نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینبؓ اعلیٰ خاندان سے ہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا.

(سورۃ الاحزاب: ۳۶)

ترجمہ: اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا نہ عورت کا، جب ٹھہرا دے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ ان کو لیے اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے سو راہ بھولا صریح چوک کر۔

اس آیت میں مومن سے مراد عبداللہ بن جحش اور مومنہ سے سیدہ زینبؓ مراد ہیں۔ یعنی کسی مومن اور مومنہ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اُس پر راضی نہ ہوں۔ اس کے بعد سیدہ زینبؓ اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی ہمت نہ کر سکیں۔ انہوں نے اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اُن کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔

یہ ایک عظیم الشان طرۂ افتخار تھا جو سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے دستارِ فضل پر نصب ہوا۔ لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطحِ مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا۔ سیدنا زیدؓ نے دربارِ نبوت میں ناموافقت مزاجی اور زینبؓ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ اور عرض کرنے لگے کہ میں زینبؓ کو طلاق دے دیتا ہوں۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری خاطر سے تم نے اس تعلق کو قبول کیا ہے، اس لیے اب چھوڑنے میں ذلت و رسوائی ہو گی اور مجھے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہو گی۔ لیکن اللہ جل مجدہٗ کی جانب سے زیدؓ اور زینبؓ کی زندگی میں پختگی نہیں لکھی ہوئی تھی اور جدائی ان کی ازدواجی زندگی کا مقدر تھی۔ اس میں اللہ جل شانہٗ کی حکمت یہ تھی کہ وہ ''متبنّیٰ'' کے جاہلی اصول و قواعد کا قلع قمع کر دے۔

جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان سے اُکتا گئے اور بہت تنگ ہو گئے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے پھر سمجھانے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بالآخر طلاق کی اجازت دے دی اور حضرت زیدؓ نے طلاق کے ذریعہ اپنا ازدواجی تعلق منقطع کر لیا۔

حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں، جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو زینبؓ کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اُس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیا، یعنی اس سے نکاح کر لیا۔

حالانکہ لے پالک یعنی ''متبنّیٰ'' کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں۔ اور عرب میں مدت سے یہ ایک بُرا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنا لیں، اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کو

غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسمِ بد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ آپ ﷺ کی زوجیت میں آئے گی، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا کہ زینبؓ آپ کے نکاح میں آئے گی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدباطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے، کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنّیٰ کی جورو سے نکاح کر لیا، شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا، بلکہ اس کو دل میں ہی پوشیدہ رکھا۔ اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے اور وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائے گی۔

نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس امرِ تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا، اس لیے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو۔

اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرہ پیش آنے والا ہے اور قضا و قدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہو گا، قضا و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ [۱۳۹]

حریمِ نبویؐ میں آمد

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو حکم دیا، تم خود جا کر زینبؓ سے میرے نکاح کا پیغام دو۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ زینبؓ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ سیدہ اس وقت آٹا گوندھنے میں مشغول تھیں۔

سیدنا زیدؓ محض اس خیال سے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے، اس لیے تعظیماً زینبؓ کو دیکھنا بھی سوئے ادب سمجھا، اس لیے ان کی طرف پیٹھ کی

اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے، اور جو کچھ کہنا تھا، عرض کیا (حالانکہ ابھی تک پردہ اور حجاب کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ اُن کے تقویٰ اور ورع کے کمال کا اظہار تھا)۔ اور عرض پرداز ہوئے، اے زینبؓ! مبارک ہو! مجھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھیجا ہے، وہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ (۱۳۰)

عرشِ بریں پر نکاح

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ، یعنی استخارہ نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں مشغول استخارہ ہوگئیں۔ چونکہ سیّدہؓ نے اس معاملہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا، خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اُسی سے خیر کی طلبگار ہوئیں، کیونکہ وہی ایمان والوں کا ولی ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے آسمانوں پر فرشتوں کی موجودگی میں بغیر کسی ولی اور گواہ کے سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔

آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا تھا، اب زمین پر بھی اس کے اعلام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا. (سورۃ الاحزاب: ۳۷)

ترجمہ: پس جب زید، زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے (اور اُن کو طلاق دے دی) تو اے نبی کریم! ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کر دیا۔

اس کے بعد حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ (۱۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب ام المومنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے عرض کیا، کیا یہ آسمانی حکم سے نکاح ہوا ہے؟ پھر کیا یارسول اللہ! بغیر خطبہ اور گواہ کے نکاح ہوگیا ہے؟ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اللّٰه المزوج، و جبریل الشاهد. (۱۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نکاح خواں اور فرشتے گواہ تھے۔

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، کون ہے جو زینبؓ کو یہ بشارت سنادے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر میرے ساتھ اُس کا نکاح کر دیا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ... الی آخرہ.

آپ ﷺ نے آخر تک یہ آیتیں پڑھ کر ہمیں سنائیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھے خیال آیا کہ حضرت زینبؓ پہلے ہی حسین وجمیل تھیں، اور اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں کہ رسول ﷺ کے ساتھ اُن کا عقد ہوگیا۔

ولیمہ

ام المومنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ جل مجدہٗ نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا تھا اور پھر اس کے متعلق قرآنی آیات بھی نازل فرمائیں، اس لیے سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا، جس قدر سیّدہ زینبؓ بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت روٹی کھلائی۔

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کرتے رہے، اور حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شدتِ حیا کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور فرمایا، السّلام علیکم اهل البیت و رحمة اللّٰه۔ سیّدہؓ نے جواب میں عرض کیا، وعلیک و رحمة اللّٰه۔ پھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔ یکے بعد دیگر تمام ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور سب سے اسی طرح کلام فرمایا۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں: (۱۳۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا

وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا
فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ
(سورۃ الاحزاب:۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو، مگر جب تمہیں اذن دیا جائے، کھانا کھانے کے لیے اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو، لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہوگیا ہے تو آجاؤ، اور جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اُٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ، اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی حجاب نہیں۔ اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، اس میں تمہارے دلوں اور اُن کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو میری والدہ ام سلیمؓ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) کھجور، گھی اور پنیر سے حیس (ایک خاص قسم کا حلوہ) تیار کیا اور میرے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور کہا، عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں، ہماری طرف سے یہ قلیل سا ہدیہ ہی قبول فرمالیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مالیدہ کا طشت لے کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ محترمہ کا سلام عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ہماری طرف سے قلیل سا ہدیہ ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے رکھ دو۔ پھر ارشاد فرمایا، جاؤ اور فلاں فلاں کو بُلا لاؤ، اور جو بھی آدمی راستے میں ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے، چنانچہ جن کے نام لیے وہ بھی اور جو راستے میں ملا اُسے بھی آپ ﷺ کی طرف سے دعوت دیتا گیا۔

جب وہ سب آگئے، راوئ حدیث کہتے ہیں، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، ان کی تعداد کتنی تھی؟ تو انہوں نے بتایا، تین سو تھی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسؓ! وہ طشت لاؤ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، کھانا کھانے والے آئے، یہاں تک کہ صفہ اور آپ ﷺ کا حجرہ بھر گیا۔ آپ ﷺ نے اس حلوے پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر کچھ پڑھا اور پھر دس دس آدمیوں کو بُلانے لگے اور ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر ہر ایک آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔ سب نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ ایک گروہ داخل ہوتا، وہ کھانا کھا کر نکلتا، پھر دوسرا داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا۔ یہاں تک کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، انسؓ! اب اس طشت کو اُٹھا لو۔ میں نے جب اسے اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا کہ جب میں نے طشت رکھا تھا اُس وقت حلوہ زیادہ تھا یا جس وقت سب کے کھا لینے کے بعد جب طشت اٹھایا اُس وقت زیادہ تھا۔ (۱۳۴)

نزولِ حجاب

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت ولیمہ کی، اور یہی نزولِ حجاب کا سبب بنا۔ آیات حجاب لوگوں کی تعلیم اور نصیحت کے لیے نازل ہوئیں کہ لوگ نبی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور جب انہیں کھانے وغیرہ پر بلایا جائے تو وہ آئیں، مگر کھانا کھا کر جلد چلے جائیں، گپ شپ کے لیے نہ رکیں۔

بعض روایات میں پردے کے حکم کا نزول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے موافقات میں سے ہے، جیسا کہ امام بخاری سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہاں ''نیک و بد'' ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ ﷺ چاہیں تو اُمہات المومنین کو پردہ کرنے کی تلقین فرمالیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیات نازل فرمائیں۔ (۱۳۵)

امام ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل فرمائی ہے:

پہلی مرتبہ آیاتِ حجاب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے موقعہ پر نازل ہوئیں۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال کا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کو مسلم خواتین کے لیے قیامت تک کے لیے بابرکت قرار دیا اور حوا کی بیٹیوں پر پردہ کو فرض قرار دے کر شرفِ پاکیزگی اور خلوص کا تحفہ عطا فرمایا۔ (۱۳۶)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

باتفاق علمائے امت، اس پردہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی (لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ) اور یہ آیت حضرت زینب بنت جحش کے نکاح اور حرم نبوی میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ (۱۳۷)

جود وسخا

شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصفِ جود وسخا کا مشاہدہ دن رات امہات المومنین کرتی رہتی تھیں، اس لیے ان میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ تھوڑا یا زیادہ جو مال بھی آتا، اُسے راہِ خدا میں خرچ کرنے میں جلدی کی جاتی۔ اپنی ذاتی ضروریات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرتی تھیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس وصف کو ایک عجیب انداز میں بیان فرمایا۔

ازواج مطہرات میں سے کسی نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سب سے پہلے کون وفات پا کر آپ ﷺ سے جا ملے گی؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے۔

آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سخاوت وبخشش اور جود وکرم کے لحاظ سے تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں وہ سب سے پہلے وفات پا کر میرے پاس آئے گی۔ ازواج مطہرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ کو نہ سمجھ سکیں، اس لیے وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔

ایک روایت میں ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بھی ہم ازواج آپس میں کسی کے گھر پر جمع ہوتیں تو دیوار پر ہم اپنے ہاتھ خوب کھینچ کر رکھتیں اور ناپا کرتی تھیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہم میں سب سے زیادہ لمبی ہیں، لہٰذا اُن ہی کے ہاتھ بھی سب سے زیادہ لمبے تھے۔ (۱۳۸)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، حالانکہ وہ بہت دھان پان اور مختصر قد و

قامت کی تھیں، اُس وقت ہم نے سمجھا کہ لمبے ہاتھوں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صدقہ وخیرات اور فیاضی تھی، جسمانی ڈیل ڈول نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت زینبؓ دستکار تھیں اور اپنی محنت سے کما کر بیحد صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں۔ (۱۳۹)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج میں حضرت زینبؓ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو فوت ہوئیں۔ (۱۴۰)

امام نوویؒ مزید فرماتے ہیں:

اہل لغت کسی آدمی کی سخاوت اور فیاضی کا تذکرہ کریں تو یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں:

فلان طويل اليد و طويل الباع.

اور جب کسی کی کنجوسی کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں:

قصير اليد والباع. (۱۴۱)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کھالوں کو رنگنے کی مزدوری کر کے رقم صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱۴۲)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ سیدہ دستکاری کے ذریعہ جو کچھ کماتی تھیں، راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱۴۳)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی جو اپنی جان کو محنت میں کھپا کر مال کماتی اور صدقہ کر دیتی ہو، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتی ہو۔ (۱۴۴)

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا محنت کر کے جتنا کچھ کماتیں، سارا مسکینوں پر صدقہ کر دیتی تھیں۔ اس سے بہت سے مسکین اور غریب لوگوں کا کام چلتا تھا، جس کی وجہ سے ان کا لقب ''ماوی المساکین'' (مسکینوں کا ٹھکانہ) پڑ گیا تھا۔ (۱۴۵)

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی مقدس زندگی کے اختتام پر بھی صدقہ کرنے ہی کی وصیت فرما رہی ہیں۔

سیدہ نے فرمایا، میں نے اپنے لیے کفن تیار کر کے رکھا ہوا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے، اس لیے تم دونوں میں سے ایک کفن کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ اُن کی

وصیت کے مطابق اُن کی بہن حضرت حمنہؓ نے اس کفن کو صدقہ کر دیا تھا جسے سیدہ نے اپنے لیے تیار کیا تھا۔ (۱۴۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد فرمایا:

لقد ذهبت حميدة، متعبدة، مفزع اليتامى والارامل. (۱۴۷)

ترجمہ: تعریف کے لائق اور عبادت گزار ہو کر دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ یتیموں اور بیواؤں کو گھبراہٹ میں ڈال گئیں، کیونکہ وہ اب سوچیں گے کہ ہم پر کون خرچ کرے گا۔

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دنیا کی رنگینیوں، مال و دولت یا کسی اور چیز کا شوق نہیں رکھتی تھیں، بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں۔ چمڑا پکاتیں، اسے صاف کرتیں یا اپنے ہاتھ سے ریشم کا اُون بنا کر بیچا کرتیں اور اُس کی ساری آمدنی اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔

زہد وقناعت

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد وقناعت کے بیشمار واقعات ہیں۔ ہم سیدہ کی باندی حضرت برزہ بنت رافع کی زبانی ان حالات کو پیش کرتے ہیں:

برزہ فرماتی ہیں کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وظائف تقسیم فرمائے تو سیدہؓ کی خدمت میں پہلی مرتبہ اُن کا وظیفہ بھیجا۔ سیدہؓ نے خیال فرمایا کہ یہ مال تمام ازواج مطہرات کے لیے ہے۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ یہ مال صرف آپ کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا، ''سبحان اللہ!'' پھر اپنے اور اُس مال کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا (تاکہ وہ مال نظر بھی نہ آئے، کیونکہ وہ ایک اجنبی چیز اور نامحرم ہے)۔

سیدہؓ نے برزہ کو حکم دیا کہ یہ مال ایک طرف ڈال دو اور کپڑا اس پر ڈھانک دو۔ پھر باندی کو فرمایا: اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کے فلاں یتیم کو دے آؤ اور مٹھی بھر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور تھوڑا سا رہ گیا تو برزہ نے عرض کیا، اے ام المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کپڑے کے نیچے جو باقی ہے، سب تم لے لو۔ برزہ کہتی ہیں کہ جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم تھے۔ جب سب مال تقسیم ہو چکا تو سیدہؓ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللهم لا يدركني عطاء عمر بعد عامي هذا. (۱۴۸)

ترجمہ: اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ مل پائے۔

چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے تو بار بار کہتی تھیں:

اللهم لا يدركني هذا المال من قابل فانه فتنة.

ترجمہ: اے اللہ! یہ مال آئندہ میرے پاس نہ آنے پائے، یہ بڑا فتنہ ہے۔

یہ کہہ کر اُسی وقت وہ سارا مال اپنے اقرباء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ ایسی خاتون ہیں جن سے خیر ہی کی امید کی جا سکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے خیر اور بھلائی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود سیدہؓ کے در دولت پر تشریف لائے، دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام پیش کیا اور فرمایا، مجھے معلوم ہے کہ آپ نے وہ ساری رقم صدقہ کر دی ہے۔ یہ ایک ہزار درہم اور پیش خدمت ہیں، اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیں۔ لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اسے بھی اسی وقت غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیا۔ (۱۴۹)

ام المومنینؓ نے اپنے ترکہ میں نہ تو کوئی درہم چھوڑا اور نہ ہی دینار۔ اُن کے پاس جو کچھ بھی آتا، راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں، اور یہ مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔ (۱۵۰)

ورع وتقویٰ

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تقویٰ وطہارت، پرہیزگاری اور ورع میں بھی بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو چند مخلص صحابہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہؓ بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو گئے۔ لیکن سیدہ زینبؓ کا دامن تقدس تابدار رہا۔

چنانچہ جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے متعلق رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے یوں درفشانی فرمائی:

يا رسول الله صلى الله عليه وسلم احمي سمعي و بصري. والله

ما علمت علیها الا خیرا. (۱۵۱)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور نہ میرے کان نے سنی، وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ سیدہ زینبؓ کو معلوم تھا کہ عائشہؓ میری سوکن ہے، اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپؓ چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں گرانے کا سبب بن سکتا۔ لیکن ان کے کمال ورع اور تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ خاموشی اپنا لیں، بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرماتی ہیں:

واللہ ما علمت علیها الا خیرا.

ترجمہ: خدا کی قسم! میں تو عائشہؓ میں خیر وخوبی اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا:

فعصمها اللہ بالورع. (۱۵۲)

یعنی: اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینبؓ بنت جحش کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وہ دین، تقویٰ، ورع، سخاوت اور بھلائی کے کاموں کے اعتبار سے خواتین کی سردار تھیں۔ (۱۵۳)

علامہ ذہبیؒ ایک اور شہادت اس طرح پیش فرماتے ہیں:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نیک خو، کثرت سے روزے رکھنے والی، شب زندہ دار، اپنے ہاتھ سے محنت کر کے آمدنی مساکین پر نچھاور کرنے والی خاتون تھیں۔'' (۱۵۴)

علامہ ابن کثیرؒ انتہائی مہکتے الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہیں:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پہلی مہاجر خواتین کی سرخیل، صدقہ اور بھلائی کے کاموں میں سب سے آگے تھیں۔'' (۱۵۵)

انتقال پُر ملال

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ۲۰ھ مطابق ۶۴۱ء میں انتقال ہوا۔ جب سیدہؓ نے محسوس کیا کہ اب وہ اپنے رب ذوالجلال کی خدمت میں حاضر ہونے والی ہیں، جبکہ وہ ہمیشہ اس مبارک ملاقات کے لیے تیار رہتی تھیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا، میں نے اپنا کفن تیار کیا ہوا ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کوئی کفن بھیجیں، تو دونوں میں سے ایک کفن صدقہ کر دینا۔ اور اگر تم میری ازار (تہبند) صدقہ کرسکو تو کر دینا۔ (۱۵۶)

سکرات موت کے عالم میں صدقہ اور بھلائی کرنا، زہد کی عدیم النظیر مثال ہے، اور سامانِ آخرت کی پیش بندی کا نادر الوقوع واقعہ ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایسی ہی بے مثال سخاوت کے پیش نظر انہیں ''ام المساکین'' کا لقب سزاوار تھا۔

آخری لمحات میں سیدہؓ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر اُٹھایا جائے۔ اس سے پہلے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تابوت نبویؐ پر قبر تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی، اور یہ پہلی خوش نصیب خاتون تھیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد تابوت نبوی پر اُٹھائی گئیں۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیدہؓ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی تو آپ نے منادی کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ سیدہ زینبؓ کے ہاں ان محرم مردوں کے علاوہ کوئی آدمی نہ جائے۔ اور امیر المومنینؓ اس تگ ودو میں مصروف ہو گئے کہ سیدہؓ کی میت کو غیر محرم مردوں کی نظروں سے مستور رکھ سکیں۔

اسی اثنا میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے مُردوں کے لیے گہوارہ بناتے ہیں۔ چنانچہ سیدہؓ کے لیے بھی گہوارہ بنا کر کپڑے سے ڈھک دیا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے دیکھ کر بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا، یہ بہترین خیمہ اور پالکی ہے۔ پھر منادی کے ذریعہ اعلان کرایا گیا کہ اپنی ماں کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے آ جاؤ۔ لوگ جوق در جوق سیدہؓ کے جنازہ کے لیے پہنچنا شروع ہو گئے۔ (۱۵۷)

اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیمہ لگوا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں قبر پر لگایا گیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی ابو احمد بن جحش، جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے، چارپائی کے پاس افسردہ کھڑے تھے اور لوگوں کا بے پناہ اژدحام تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، ابو احمد! چارپائی سے دور رہو، کہیں اژدحام میں کچلے نہ جاؤ۔

ابو احمد نے جواب دیا، اے عمرؓ! یہ وہ خاتون ہیں جن کی وجہ سے ہمیں ساری بھلائیاں نصیب ہوئیں۔ آج میرے آنسو اس گرمی کی حرارت کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ (۱۵۸)

ام المومنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

تبدیلیٔ نام

پہلے نام "برہ" تھا، جسے تبدیل کر کے "جویریہ" رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نامناسب اور غلط نام تبدیل فرما کر مناسب اور صحیح نام تجویز فرما دیا کرتے تھے، اور یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا کرتے تھے، تم لوگ قیامت کے دن اپنی ماؤں اور باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہٰذا نام اچھے رکھا کرو۔ (۱۵۹)

حضرت جویریہؓ کا پہلا نام "برہ" تھا، اور برہ کا معنی ہے "نیک عورت"۔ جب اس نام کی کسی عورت سے دریافت کیا جائے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بتائے گی، میں برہ ہوں، یعنی میں نیک عورت ہوں۔ اس سے اپنی تعریف ہوتی ہے، اس لیے یہ نام پسندیدہ نہیں۔ یا کوئی پوچھے، تم کہاں سے آئے ہو، تو وہ کہے، میں "برہ" (نیکی) کے پاس سے آیا ہوں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام برہ سے تبدیل فرما کر جویریہ رکھ دیا۔ (۱۶۰)

اسی طرح حضرت زینب بنت جحش، حضرت زینب بنت ابو سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن کا پہلا نام "برہ" ہی تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما دیا، اور زینب، میمونہ اور جویریہ نام رکھ دیے۔ (۱۶۱)

سلسلۂ نسب

جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن حذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے تھیں۔ (۱۶۲)

سیدہ جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار خاندان بنو مصطلق کے نامور سردار تھے، اور اپنے چچا زاد مسافع بن صفوان ذی شفر کے نکاح میں تھیں۔ خاوند مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں

مارا گیا تھا۔[۱۶۳]

حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق اپنے سردار حارث بن ضرار کی سربراہی میں آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ میں اپنے قائم مقام ابوذر غفاریؓ یا نمیلہؓ بن عبداللہ، یا ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن ام مکتوم کو چھوڑ کر سات سو جاں باز صحابہ کے ساتھ ۲ شعبان ۵ھ میں بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔

حارث بن ضرار کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ ساحلِ سمندر کے کنارے ''قدید'' کے نواح میں پانی کے ایک تالاب ''مریسیع'' کے مقام پر اُن سے آمنا سامنا ہوا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا۔ لیکن انہوں نے اس کے جواب میں مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ چنانچہ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجاہدین اسلام کو اُن کے مقابلے کی اجازت دی اور فرمایا کہ انہی لوگوں کو قتل کیا جائے جنہوں نے تیر برسائے ہیں۔[۱۶۴]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دشمنوں سے پکار کر کہہ دو:

قولوا لا الٰہ الا اللہ، تمنعوا بھا انفسکم و اموالکم.

ترجمہ: لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لو، ایسا کرنے سے تمہارے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن دشمن نے دعوتِ اسلام قبول کرنے کی بجائے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

امام محمد بن سعد بن منیع الزہریؒ (م ۲۳۰ھ) رقم طراز ہیں:

قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تحقیق احوال کے لیے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت بریدہؓ نے حارث بن ابی ضرار سے بالمشافہ بات کر کے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا۔

۲ شعبان ۵ھ کو اسلامی فوج مدینہ منورہ سے مریسیع کی طرف روانہ ہوئی۔ ''مریسیع''

بنو مصطلق کے ایک کنویں کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے نو (۹) منزل پر واقع ہے۔ اسلامی لشکر میں انصار اور دس مہاجرین پر مشتمل تھا۔ مالِ غنیمت کی لالچ میں منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد لشکر میں شامل ہو گئی، جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور ازواج مطہرات میں سے سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن بھی آپ ﷺ کے ہمرکاب تھیں۔

حارث بن ابی ضرار کو جب یہ اطلاع ملی کہ اسلامی لشکر حملہ آور ہونے والا ہے تو ان پر سخت خوف و ہراس طاری ہو گیا اور اُن کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی فوج نے دفعتاً اُن پر حملہ کر دیا۔ مریسیع میں آباد لوگ صف آراء ہو کر دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ جب مسلمانوں نے یکبارگی زبردست حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور انہیں شکستِ فاش ہوئی۔ دشمن کے دس آدمی مارے گئے، چھ سو گرفتار ہوئے، غنیم میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔[۱۶۵]

اس غزوہ میں بھاری تعداد میں مرد، عورتیں اور بچے قیدی ہاتھ آئے، اور حضرت جویریہؓ بھی ان قیدیوں میں تھیں۔ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان قیدیوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ حضرت جویریہؓ اس تقسیم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس یا اُن کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ لیکن انہوں نے باندی بن کر رہنا پسند نہ کیا اور حضرت ثابت یا اُن کے چچیرے بھائی سے کتابت کے لیے درخواست کی۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضرت جویریہ سے نو (۹) اوقیہ سونے پر کتابت کا معاملہ کیا تھا (یعنی کچھ معاوضہ لے کر چھوڑ دیں۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، جبکہ ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتی یا ۱۵ ارتی کا ہوتا ہے)۔

لیکن سیّدہ جویریہؓ کے پاس اس وقت سونا نہ تھا۔ انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں۔

حضرت جویریہؓ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری اسیری کا حال آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں، تقسیم میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی

ہوں۔ انہوں نے مجھے مکاتبہ بنالیا ہے، بدل کتابت میں آپ ﷺ کی خدمت میں اعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ [۱۶۶]

حریم نبویؐ میں آمد

ابن اسحاقؒ نے اس واقعہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ چونکہ جویریہؓ شیریں ادا تھیں، میں نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے دیکھا کہ آپ ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہ اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا ہے۔

غرض وہ حاضر خدمت ہوئیں اور اپنا مدعا بیان کیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کردوں اور آزاد کر کے تجھے اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے منظور ہے۔ [۱۶۷]

امام ابن کثیرؒ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تم اسلام قبول کرلو اور میں تمہارے ساتھ نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ آزاد ہو جانے کے بعد حضرت جویریہؓ نے اسلام قبول کرلیا اور پھر آپ ﷺ نے نکاح فرمایا۔ [۱۶۸]

دوسری روایت کے مطابق حضرت جویریہؓ کا والد حارث رئیس عرب تھا۔ جب حضرت جویریہ گرفتار ہوئیں تو حارث نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری شان اس سے بالاتر ہے کہ میری بیٹی کنیز بن کر زندگی گزارے، میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں، آپ ﷺ اسے آزاد کردیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملہ کو خود جویریہؓ کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں؟ حارث نے جویریہؓ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے، لہٰذا ہمیں رسوا نہ کرنا۔ حضرت جویریہؓ نے جواب میں فرمایا:

انی قد اخترت رسول اللہ. [۱۶۹]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنا پسند کرتی ہوں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین

رات قبل میں نے خواب دیکھا کہ "یثرب کا چاند" مدینہ سے آرہا ہے اور میری آغوش میں آکر گرا ہے۔ میں نے اپنا خواب ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم لوگ قید کرلیے گئے تو مجھے اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید بر آئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے آزاد فرما کر اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرمالیا۔ [۱۷۰]

نکاح کے وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۰ سال تھی اور ۶۵ سال کی عمر میں وصال ہوا تھا۔ [۱۷۱]

مہر

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مِلک میں تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا اور اُن کی آزادی ہی کو اُن کا مہر قرار دیا اور بنو مصطلق کے قیدی رہا کردیے۔ [۱۷۲]

والد کا مشرف بہ اسلام ہونا

جب شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا تو اُن کے والد حارث بہت سے اونٹ لے کر مدینہ روانہ ہوئے، تاکہ فدیہ دے کر بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے، انہیں عقیق کی ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی پر اُن کو لے لوں گا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے اور کہا، اے محمد! آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے، یہ اُس کا فدیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم گھاٹی میں چھپا آئے ہو؟ یہ سن کر حارث نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و انک رسول الله.

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

کیونکہ ان اونٹوں کا اللہ کے سوا اور کسی کو علم نہ تھا، اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کردیا ہے۔ [۱۷۳]

مسرت کے شادیانے

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب شہنشاہ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا تو یہ خبر سارے مدینہ میں گونج گئی۔ سیدہ جویریہ کی قوم وخاندان کے سینکڑوں قیدی صحابہؓ کے گھروں میں موجود تھے، جو غلام بنا کر تقسیم کر دیے گئے تھے۔ نکاح کی خبر پھیلتے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب قیدیوں کو اس احترام کے پیش نظر آزاد کر دیا کہ اب تو یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے، انہیں کیسے غلام بنا کر رکھیں!

سیدہ جویریہؓ فرماتی تھیں، میں نے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاندان کے قیدیوں کو رہا کرنے کی بات بھی نہیں کی تھی کہ مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کر دیا، جس کی خوش کن خبر میری چچازاد بہن نے مجھے دی۔ یہ خوشخبری سن کر میں نے اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فقد أعتق بتزوجه اياها مائة اهل بيت من بنى المصطلق، فما اعلم امرأة اعظم بركة على قومه منها. (۱۷۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو حضرت جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

اخلاق وعادات

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت، موزوں اندام تھیں۔ ان میں حلاوت اور ملاحت دو وصف نمایاں تھے۔ جو انہیں دیکھ لیتا، اپنے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتا۔ (۱۷۵)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو عبادت سے بہت شغف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو انہیں عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبح کے وقت عبادت میں مشغول دیکھا، پھر دوپہر کو جب دیکھا تو بھی سیدہ کو عبادت کی حالت میں پایا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو ابھی تک تسبیحات میں مصروف ہے؟ سیدہؓ نے عرض کیا، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں چند کلمات ایسے سکھا دوں جو وزن میں ان

تمام تسبیحات کے برابر ہوں جو تم نے اب تک پڑھا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، وہ یہ کلمات ہیں:

سبحان الله عدد خلقه، سبحان الله زنة عرشه، سبحان الله رضا نفسه، سبحان الله مداد كلماته. (۱۷۶)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ عبادت و ریاضت میں ہمہ وقت مشغول رہتی تھیں۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ان کے پاس سے گزرے تو آپ دعا کر رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ دوپہر کے قریب تشریف لائے تو اُس وقت بھی آپ کو دعا کی حالت میں پایا۔ (۱۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سیدہؓ کے ہاں تشریف لائے تو وہ روزہ سے تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روزہ رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے سیدہؓ سے پوچھا، کل بھی روزہ سے تھیں؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا، کیا کل بھی روزہ رکھو گی؟ جواب دیا، نہیں۔ ارشاد فرمایا، پھر تمہیں روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ (۱۷۸)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا، کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا، میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا، وہی رکھا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ فرمایا، وہی لے آؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا، اُسے پہنچ چکا ہے۔ (۱۷۹)

سانحہ ارتحال

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا، اور یہی قول صحیح ہے۔ (۱۸۰)

ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

آپ کا نام ''رملہ'' اور اُم حبیبہ کنیت تھی۔ ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں، رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھا۔ صفیہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ (۱۸۱)

علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ ان کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے رملہ بیان کیا ہے اور بعض کے نزدیک ھند نام تھا اور مشہور رملہ تھا۔ اور جمہور اہل علم انساب، سیر، حدیث اور تاریخ کے نزدیک رملہ ہی صحیح ہے۔ (۱۸۲)

حضرت ام حبیبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ (۱۸۳)

اسلام

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا، جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور اُن ہی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اپنے شوہر کے ہمراہ حبش کو ہجرت کی۔ حبش جانے کے بعد عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ ام حبیبہؓ سے بھی مذہب تبدیل کرنے کو کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام حبیبہ رکھا، اور اسی کے نام پر ''ام حبیبہ'' کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ بعض کے نزدیک حبیبہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ (۱۸۴) بعد میں حبیبہ کا نکاح داود بن عمرو بن مسعود ثقفی سے ہوا تھا۔ (۱۸۵)

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ عبیداللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اسے نہایت بُری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا، جس سے میں بہت گھبرائی۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے اس کے سامنے اپنا خواب بیان کیا کہ شاید اُسے تنبیہ ہو جائے، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ شراب اور کباب میں برابر منہمک رہا، حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال کر گیا۔ (۱۸۶)

حریم نبویؐ میں آمد

ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، عبیداللہ بن جحش کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ''یا ام المومنین'' کہہ کر پکار رہا ہے، جس سے میں چونک گئی۔ پھر یکایک اس کی تعبیر دل میں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آنے کا اشارہ ہے۔ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، جب میری عدت ختم ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا۔ (۱۸۷)

ادھر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہاجرت کے عالم میں سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کی عدت کے دن پورے ہونے پر عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دے۔

جب شاہ حبشہ نجاشی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا تو بادشاہ نے اپنی خاص خدمت گار باندی ابرہہ کو سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس پیغام آیا ہے کہ اگر تمہیں منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرلو اور میں تمہارا نکاح حضور علیہ السّلام سے کردوں۔ سیّدہ نے یہ مژدہ جاں فزا سن کر باندی کو دعا دی:

بَشَّرَکَ اللّٰہُ بِالْخَیْرِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے بھی خیر کی خوشخبری سنائے۔

اور اس خوشخبری اور بشارت کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن، پیروں کی پازیب اور انگلیوں سے انگوٹھی چھلّے، جو سب نقری تھے، ابرہہ کو دے دیے اور خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا، جو ددھیال کی طرف سے رشتہ دار تھے اور ہجرت کر کے حبشہ میں مقیم تھے۔ (۱۸۸)

جب شام ہوئی تو بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو بلایا، خطبۂ نکاح پڑھ کر خود نکاح پڑھایا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔

مدینہ میں ورودِ مسعود

نکاح کے دوسرے روز نجاشی نے سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس خوشبو اور جہیز کا سامان بھیجا اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہنے لگیں، اور اُن کا مبارک خواب، جس میں کسی نے یا ام المومنین کہہ کر پکارا تھا، صحیح ثابت ہوا۔ سیّدہؓ کے نکاح کی تقریب ۶ھ یا ۷ھ میں منعقد ہوئی تھی۔ (۱۸۹)

امام ابن سعد فرماتے ہیں:

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد ۷ھ میں ہوا، اور جب مدینہ منورہ تشریف لائیں تو اُن کی عمر مبارک تیس سال سے زائد تھی۔ صاحب سیرِ صحابیات لکھتے ہیں، اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶/۳۷ سال تھی۔ (۱۹۰)

فضائل و مناقب

ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمودات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو شخص دن رات میں بارہ رکعات نماز پڑھ لے تو اللہ جل شانہٗ اس کے لیے جنت میں محل عطا فرمائے گا۔ اس ارشاد پر پھر اس طرح عمل کیا کہ کبھی بھی یہ بارہ رکعت نوافل چھوٹنے نہیں پائے۔ (۱۹۱)

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہے: چار سنت ظہر سے پہلے، دو اُس کے بعد، دو سنت مغرب کے بعد، دو نماز عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔ (۱۹۲)

سیّدہ ام حبیبہؓ بڑی متبع شریعت تھیں۔ جب ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زردی تھی۔ پھر اُس خوشبو کو اپنے دونوں رخساروں اور بازوؤں پر ملا، پھر فرمایا، میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ سنا کہ کسی

عورت کے لیے، جو اللہ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان رکھتی ہو، حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے، تو مجھے اس وقت خوشبو کے استعمال کی بھی ضرورت تو نہیں تھی۔ (۱۹۳) (محض سنت کی پیروی میں تین دن سوگ کے بعد استعمال کی ہے)۔

ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا یہ منفرد نوعیت کا حیرت افزا واقعہ، جس سے اسلام اور سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور محبت آشکارا ہوتی ہے، اور جو سیّدہ کے جوشِ ایمان کا قابلِ دید منظر ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل اُم المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی قدر ابوسفیان، جو ابھی تک حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے، معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید اور توسیع کی غرض سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے۔ سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے گفت و شنید ہوئی، لیکن آپ ﷺ نے ان کی تجاویز مسترد کر دیں۔ وہاں سے مایوس ہو کر اپنی بیٹی سیّدہ ام حبیبہؓ سے ملنے ان کے ہاں گئے۔ گھر پہنچ کر جب بستر پر بیٹھنے لگے تو سیّدہ ام حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر کہا، بیٹی! تم نے یہ کیا کیا، بستر کیوں اٹھالیا ہے؟ کیا تم نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا، یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ سیّدہؓ نے جواب دیا، یہ بستر سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے، اس پر مشرک کا ناپاک جسم کیسے مَس ہونے دیا جائے! ابوسفیان نے کہا، خدا کی قسم! تم میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہو۔ (۱۹۴)

ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرامین پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب و تاکید کرتی تھیں۔ سیّدہ کے بھتیجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور ستو کھائے، پھر کلی کی، تو سیّدہؓ نے فرمایا، تمہیں ستو کھا کر وضو کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (۱۹۵)

پہلے یہ حکم تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا۔ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ سے پکی ہوئی چیزیں کھاتے اور پھر وضو نہیں کرتے تھے، بلکہ پہلے وضو سے ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی "باب من لم یتوضا من لحم الشاۃ

والسویق. ''قائم فرما کر واضح کر دیا ہے، گوشت وغیرہ کھانے کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وصال سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگیں، میرے اور آپ کے درمیان سوکنوں والے تعلقات تھے، اگر مجھ سے آپ کے حق میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو خدارا معاف کر دیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے فرمایا، تم نے مجھے خوش کر دیا، اللہ تعالیٰ تمہیں خوش و خرم رکھے۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا۔ (۱۹۶)

سانحۂ ارتحال

علامہ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، سیدہ ام حبیبہ کا انتقال ۴۴ھ میں ہوا۔ (۱۹۷) علامہ ابن سعد نے بھی ۴۴ھ ہی بیان کیا ہے، اور مزید تصریح یہ کی ہے کہ اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال ہوا ہے۔ (۱۹۸) یہی قول علامہ ابن کثیر کا ہے۔

البتہ ابوبکر بن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ سیدہ کا انتقال اپنے بھائی معاویہؓ سے ایک سال قبل ہوا، جبکہ معاویہؓ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔ (۱۹۹)

تیسرا قول ابن حبان اور ابن قانع کا یہ ہے کہ ۴۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ لیکن بلاذری کہتے ہیں کہ پہلا قول (۴۴ھ) ہی زیادہ صحیح ہے۔ (۲۰۰)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوئیں۔ (۲۰۱)

اولاد

پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش سے دو اولادیں ہوئیں۔ بیٹا عبداللہ اور بیٹی کا نام حبیبہ تھا۔ حبیبہؓ نے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی اور عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم کے بیٹے داؤد سے منسوب ہوئیں۔ (۲۰۲)

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

زرقانی کی روایت کے مطابق سیدہ کا نام ''زینب'' تھا، لیکن جنگِ خیبر میں جب مالِ غنیمت میں خاص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں یہ دستور تھا کہ غنیمت کا جو حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، اسے ''صفیہ'' کہا جاتا تھا، اس لیے سیدہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ (۲۰۳)

ابن زبالہ نے اپنی کتاب المنتخب، ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ صفیہ کا نام ''حبیبہ'' تھا۔ بعد میں صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں، کیونکہ خیبر کے موقع پر یہ مخصوص کر دی گئی تھیں حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق ان کی کنیت ''ام یحییٰ'' تھی۔ (۲۰۴)

سلسلۂ نسب اس طرح ہے، صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعنہ بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب ابن النضیر بن النحام بن تخوم۔ (۲۰۵)

علامہ ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، علامہ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ)، علامہ ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) اور علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے صفیہ کی والدہ کا نام ''برہ بنت سموال'' بیان کیا ہے، جو رفاعہ بن سموال القرظی کی بہن تھیں۔ (۲۰۶)

علامہ قسطلانی (م ۹۲۳ھ) اور علامہ زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے ''ضرۃ'' نام بیان کیا ہے۔ (۲۰۷)

نیز شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سعید انصاری وغیرہ نے والدہ کا نام ''ضرۃ'' بیان کیا ہے۔ (۲۰۸)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی۔ والد حیی بن

اخطب سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کے بھائی سیّدنا ہارون علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھا اور بنونضیر کا سردار تھا۔ والدہ رئیس قریظہ کی بہن تھی، اور یہ دونوں خاندان یعنی بنوقریظہ اور بنونضیر، بنواسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی علاقوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ (۲۰۹)

نکاح

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا۔ وہ ایک نامور شاعر اور سردار تھا، لیکن دونوں میاں بیوی میں نہ بن سکی۔ آخرکار سلام بن مشکم القرظی نے انہیں طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد اُن کے باپ نے ان کا نکاح بنوقریظہ کے ایک نامور سردار کنانہ بن ابی الحقیق سے کردیا، جو ابورافع تاجر حجاز اور خیبر کے رئیس کا بھتیجا تھا۔ خود بھی بلند مرتبہ تھا اور خیبر کے مشہور قلعہ ''القموص'' کا سردار تھا اور اپنے گھرانے کے ساتھ یہیں سکونت پذیر تھا۔ سن ۷ ہجری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ان کے مرکز خیبر کا رُخ کیا۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال مغربی علاقہ میں نہایت زرخیز مقام تھا، جہاں یہود نے نہایت مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ یہیں جنگِ خیبر ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح ونصرت حاصل ہوئی اور ''القموص'' جیسا مضبوط قلعہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کنانہ بن ابی الحقیق اپنے قلعہ ہی میں مارا گیا۔ اس کے تمام اہل وعیال کے ساتھ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی قید ہوئیں۔ اس جنگ میں سیّدہ کے باپ، شوہر اور بھائی بھی مارے گئے۔ مذکورہ دونوں خاوندوں سے سیّدہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۲۱۰)

سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ صفیہؓ کے والد، بھائی اور خاوند کو کفر کی حالت میں مَیں نے قتل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسکراہٹ فرمائی۔ (۲۱۱)

حریم نبویؐ میں آمد

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جنگِ خیبر میں قید ہوکر آئیں۔ وہ ابھی نئی نویلی دلہن تھیں کہ ان کا شوہر جنگ میں قتل ہوگیا۔ بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن وجمال کا تذکرہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اسی اثناء میں حضرت

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مجھے ایک لونڈی دلوا دیجیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ایک لونڈی انتخاب کرلو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، صفیہ بنوقریظہ کی رئیسہ ہیں، ایک سردار کی بیوی اور ایک سردار کی بیٹی ہیں، خاندانی وقار اور وجاہت ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور کے لیے مناسب نہیں، وہ تو صرف آپ ﷺ ہی کے لیے سزاوار ہیں۔

مقصود یہ تھا کہ عرب کی رئیسہ کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ ماہر نفسیات سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی نفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ دحیہ کو مع اس لڑکی کے بلاؤ۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ایک نظر دیکھا اور حضرت دحیہؓ سے فرمایا، (۲۱۲) اے دحیہ! اس کی جگہ دوسری لونڈی پسند کرلو۔ پھر اُن کی دلجوئی کی خاطر سات لونڈیوں کے بدلے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اُن سے خرید لیا۔ (۲۱۳)

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کردیا اور انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر واپس چلی جائیں، یا پسند کریں تو آپ ﷺ کے نکاح میں آجائیں۔ سیّدہؓ نے شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو پسند فرمایا۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک سترہ سال کے قریب تھی۔ (۲۱۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے کہا، کیا تیری کوئی آرزو ہے؟ انہوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! میں تو زمانۂ شرک میں بھی آپ ﷺ کی خواہش رکھتی تھی، اب تو اللہ نے میری خواہش پوری فرمادی اور اسلام کی دولت بھی عطا فرمادی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کرکے نکاح کرلیا۔ (۲۱۵)

ولیمہ

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ بھی عجیب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دسترخوان بچھادیا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا، جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر لایا، کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ اشیا جمع ہوگئیں تو سب نے ایک جگہ

بیٹھ کر کھالیا۔ اس ولیمہ میں نہ گوشت تھا اور نہ ہی روٹی۔ صحابہ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ آیا صفیہؓ اب ام المومنین بن گئی ہیں یا کنیز ہیں؟ صحابہ کا خیال تھا کہ اگر انہیں پردہ کرنے کا حکم ہوا تب تو اُم المومنین ہیں، اور اگر پردہ نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ حضورؐ کی باندی ہیں۔ (۲۱۶)

مقام صہبا میں آپ ﷺ نے تین دن قیام فرمایا اور سیدہ صفیہؓ پردے میں رہیں۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا، تا کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ گویا یہ اعلان تھا کہ سیدہ صفیہ ام المومنین ہیں، اُم ولد نہیں۔ راستہ میں جب ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوتیں تو آپ ﷺ اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے، اپنا گھٹنا زمین پر ٹکا دیتے، سیدہ آپ ﷺ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔ (۲۱۷)

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنے کے بعد اُن سے نکاح فرمایا۔ ثابت بنانی نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے سیدہؓ کا مہر کیا ادا فرمایا تھا؟ تو حضرت انسؓ نے کہا کہ ان کو آزاد کرنا ہی مہر ٹھہرا تھا۔ (۲۱۸)

قافلۂ نبوی کی مدینہ آمد

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ پہنچے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارث بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔ حضرت حارث بن نعمانؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جاں نثار صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سے نوازا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی ضروریات کا خصوصی خیال رکھنا اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی ان کا ایثار کام آیا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی شہرت سن کر انصارِ مدینہ کی خواتین اور ازواجِ مطہرات بھی انہیں دیکھنے آئیں۔ جن میں سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ حفصہ، سیدہ عائشہ اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نقاب اوڑھ کر آئی تھیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

پہچان لیا۔ اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا:

كيف رأيتها يا عائشة؟

ترجمہ: اے عائشہؓ! تم نے اسے کیسا پایا؟

وہ کہنے لگیں، ایک یہودیہ کو دیکھ کر آئی ہوں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسا نہ کہو، وہ تو اب اسلام قبول کر چکی ہیں اور اُن کا اسلام نہایت عمدہ ہے۔ (۲۱۹)

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور اُن کا کپڑا پکڑ کر فرمایا:

كيف رأيت يا شقيراء؟ (۲۲۰)

ترجمہ: اے شقیراء! اسے کیسا پایا ہے؟

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کریم اور شفیق تھے۔ اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے۔ جب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئی، راستہ میں اونٹنی پر مجھے نیند آ جاتی تھی اور میرا سر کجاوہ سے لگ جاتا تھا، آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے سہارا دیتے اور فرماتے کہ اے حیی کی بیٹی! دھیان سے بیٹھ، کہیں گر نہ جانا۔

جب صہبا کے مقام پر پہنچے، آپ ﷺ نے فرمایا، اے صفیہ! جو کچھ تیری قوم کے ساتھ ہوا مجھے اس کا افسوس ہے، لیکن انہوں نے بھی ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے۔ (۲۲۱)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جب میں ایک قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو اُس وقت میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی انسان ناپسندیدہ نہیں تھا، اس لیے کہ میرا باپ، خاوند، بھائی اور کئی رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیہ! تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ کچھ کیا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں، (پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اخلاق کا مجھ پر ایسا اثر ہوا) جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نگاہ میں نہیں تھا۔ (۲۲۲)

فضل وکمال

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے۔

کانت عاقلة من عقلاء النساء.[۲۲۳]

ترجمہ: وہ عورتوں میں بہت ہی زیادہ عقلمند تھیں۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

کانت صفية عاقلة حليمة فاضلة.[۲۲۴]

ترجمہ: سیدہ صفیہ عقل مند، بردبار، تحمل والی اور فاضلہ تھیں۔

غزوۂ خیبر کے بعد جب وہ اپنی چچازاد بہن کے ہمراہ گرفتار ہوکر آ رہی تھیں تو اُن کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر ضبط نہ کرسکی اور چیخ وپکار کرنے لگی۔ لیکن سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، جن کا باپ، بھائی اور خاوند اسی جنگ میں قتل ہو گئے تھے، اپنے محبوب خاوند کی لاش کے قریب سے گزریں لیکن وہ پیکرِ متانت وصبر تھیں، جن کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی تھی۔[۲۲۵]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ شکایات کیں کہ:

۱۔ صفیہ میں اب بھی یہودیت کا اثر باقی ہے۔

۲۔ یوم السبت یعنی سنیچر کو اچھا سمجھتی ہیں۔

۳۔ اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان شکایات کی تفتیش وتصدیق کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ سیدہؓ نے اسے جواب دیا، یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اللہ جل مجدہٗ نے اس کے بدلے یوم الجمعہ عنایت فرمایا ہے۔ البتہ یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم تو اسلام دیتا ہے، ان میں میرے خویش واقارب ہیں۔ اس کے بعد باندی سے پوچھا، کیا تم نے میری شکایت کی تھی؟ اس نے کہا، ہاں! مجھے شیطان نے بہکایا تھا۔ سیدہؓ نے اسے سزا دینے کے بجائے آزاد کردیا۔[۲۲۶]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ طیبہ آئیں تو اُن کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تحفہ دے دیا اور جو بچ گیا دوسری عورتوں کو دے کر خود فارغ ہو گئیں۔[۲۲۷] یہ ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے

کے اثرات، کہ دنیا فانی کا قصہ ختم کردیا۔

حب نبویؐ

میاں بیوی کی باہمی محبت واُلفت ہی گھر کو مثلِ جنت بنادیتی ہے اور زندگی کی گاڑی اچھی طرح رواں دواں رہتی ہے۔ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دل وجان سے فدا تھیں۔ اپنی جانِ عزیز تک قربان کرنے کے لیے تیار تھیں۔ جب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے اور آپ ﷺ کی ازواج آپ ﷺ کی بیمار پرسی کے لیے حاضر تھیں، سیدہ صفیہؓ نے نہایت حسرت سے کہا:

اما واللہ یا نبی اللہ لوددت ان الذی بک بی.

ترجمہ: خدا کی قسم! اے رسول اللہ ﷺ! میں چاہتی ہوں کہ آپ ﷺ کی بیماری مجھے لگ جائے (اور آپ ﷺ صحت یاب ہوجائیں)۔

اس پر ازواج مطہرات سیدہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیت ملاحظہ فرماتے ہوئے یوں گویا ہوئے، بخدا! صفیہ سچ کہہ رہی ہے۔[۲۲۸] یعنی ان کا اظہار عقیدت نمائشی نہیں، بلکہ سچے دل سے وہ یہی چاہتی ہیں۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں بھی ان کی نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر اُن کی دلداری اور دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک سفر میں ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس اونٹ ضرورت سے زیادہ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر ایک اونٹ صفیہ کو دے دو تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے کہا، میں اس یہودیہ کو اونٹ کیوں دوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب اس قدر شاق گزرا اور آپ ﷺ نے ذوالحجہ اور محرم دو مہینے یا تین ماہ تک سیدہ زینبؓ سے قطع تعلق رکھا۔[۲۲۹]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوئے، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، صفیہ! کیوں روتی ہو؟ عرض کی کہ عائشہؓ اور حفصہؓ مجھے چھیڑتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ عزت اور رتبہ حاصل ہے، کیونکہ ہمیں آپ ﷺ کی بیویاں ہونے کے علاوہ آپ ﷺ کی چچازاد بہن ہونے

کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیہؓ! تم نے یہ کیوں نہ کہا، تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو، میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تم کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟

قد بلغني عن حفصة و عائشة كلام فذكرت ذلك له، قال الا قلت و كيف تكونان خيرا مني و زوجي محمد و ابي هارون و عمي موسىٰ، و كان الذي بلغها انهم قالوا نحن اكرم على رسول الله ﷺ منها، وقالوا نحن ازواج النبي صلى الله عليه وسلم و بنات عمه. (۲۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ سیدہ حفصہؓ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے، سیدہ کو اس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ رونے لگیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ معلوم فرمائی۔ سیدہ نے بتایا کہ حفصہؓ مجھے کہتی ہیں، تم یہودی کی بیٹی ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انک لابنة نبي، وان عمک لنبي، وانک لتحت نبي، ففيم تفخر عليک.

ترجمہ: تم تو ایک نبی کی بیٹی ہو اور تیرا چچا بھی نبی ہے اور تم ایک نبی کی بیوی ہو، وہ کس بات میں تم پر فخر کر سکتی ہیں؟

پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا، اللہ سے ڈرو۔ (۲۳۱)

سفر حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو دیکھا، زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی رداء اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے۔ آپ ﷺ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ (۲۳۲)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے

قد و قامت کی نسبت اشارہ کیا، یعنی کوتاہ قد ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں ڈال دی جائے تو اُسے بھی گدلا کر دے۔ (۲۳۳)

امت کی رہنمائی

ازواج مطہرات کے ذریعہ بیشمار مسائل میں امت کی رہنمائی ہوئی ہے۔ سفر حج میں کتنے ہی عورتوں کے مخصوص مسائل سے امت روشناس ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی سفر حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو قیام منیٰ کے دوران ایام شروع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر تو اُن کے پاک ہونے تک ہمیں رکنا پڑے گا، کیونکہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کریں گی۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ سیدہ صفیہؓ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تو رُکنے کی ضرورت نہیں۔ (۲۳۴)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی نہایت تکریم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ سیدہ صفیہؓ ملنے آئیں اور کچھ دیر محو گفتگو رہیں۔ جب گھر جانے لگیں تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تک چھوڑنے کے لیے اٹھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ انہیں لے کر مسجد کے دروازہ تک پہنچے۔ اتفاق سے دو انصاری آپ ﷺ کے پاس سے گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا، ذرا ٹھہرو، دیکھنا یہ میری بیوی صفیہؓ ہے (کہیں یہ خیال نہ آ جائے کہ رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے پاس کون عورت کھڑی ہے)۔ دونوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم ایسا سوچ بھی سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔ (۲۳۵)

دوسری ازواج مطہرات کی طرح ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم و عرفان کا مرکز تھا۔ مرد و زن اُن سے علمی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ صہیرہ بنت جیفر فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی خواتین مسائل دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس جمع ہیں۔ صہیرہ بھی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آئی تھیں، اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے مختلف سوالات کرائے، جن میں نبیذ کے متعلق بھی ایک سوال تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا، عراق کے لوگ اکثر

یہ مسئلہ پوچھتے رہتے ہیں۔ (۲۳۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت

امیر المومنین، خلیفۂ ثالث، سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا جب فسادی بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا اور اسباب زندگی (غلہ، پانی) کی رسد بھی بند کردی اور گھر پر پہرہ بٹھادیا گیا، تاکہ نہ تو کوئی اندر جاسکے اور نہ ہی وہ خود باہر نکل سکیں، تو اُم المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اُن کے پاس کھانا پانی بھجوانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ سیّدہؓ خود بھی خچر پر سوار ہوکر اپنے غلام کنانہ کے ہمراہ امام مظلوم سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جارہی تھیں کہ مالک الاشتر نے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے آکر خچر کو مارنا شروع کردیا۔ اس کا یہ ذلت آمیز رویہ دیکھ کر سیّدہؓ نے الاشتر سے فرمایا، مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے واپس جانے دو اور خچر کو چھوڑ دو۔ پھر سیّدہؓ نے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ ان کے گھر سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی پہنچائیں۔

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر اور سیدنا عثمانؓ کے گھر کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا پانی پہنچایا جاتا تھا۔ (۲۳۷)

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے کھانے کی تعریف کیا کرتی تھیں، اور کبھی کبھار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمدہ کھانا پکا کر تحفۃً بھیجا کرتی تھیں۔

زہد وعبادت

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بھی نیک شہرت کی مالک تھیں۔ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> وکانت من سیدات النساء عبادۃ، و ورعا، و زھادۃ و برا و صدقۃ رضی اللہ عنھا و ارضاھا۔ (۲۳۸)

ترکہ

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم کی زمین وجائیداد چھوڑی تھی۔ انہوں نے اس میں سے ایک تہائی اپنے بھانجے کو دینے کی وصیت کی تھی۔ وہ بھانجا یہودی

تھا۔ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ سیّدہ صفیہؓ نے اپنے بھائی کے لیے تیس ہزار درہم کی وصیت کی تھی۔ (۲۳۹)

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی۔ یہ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ (۲۴۰)

بعض حضرات نے سن وفات ۵۲ھ ذکر کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں، پہلا قول صحیح ہے۔ (۲۴۱)

ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام "برہ" تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ نام رکھا۔

لفظ "میمونہ" یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی برکت ہیں۔ اور میمون اور میمونہ کے معنی "مبارک" کے ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن الہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر صعصعہ بن معاویہ بن بکر۔

والدہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن جرش۔

نکاح

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا، لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہوگئی تھی۔ (۴۴۲)

سیّدہ میمونہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے ابورھم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنجرہ بن ابی رھم حویطب بن عبدالعزیٰ یا فروہ بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ (۴۴۳)

حریم نبویؐ میں داخلہ

جب سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا شوہر ابورھم بن عبدالعزیٰ اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے کہ سیّدہ میمونہؓ کے بہنوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مقام جحفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور سیّدہ کی بیوگی کا تذکرہ کیا، اور چاہا کہ آپ ﷺ اُن سے

نکاح فرمالیں۔ آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام دے کر بھیج دیا۔ (۴۴۴)

۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کردی تھی۔ (۴۴۵) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (سورۃ الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اور جوکوئی عورت ہو مسلمان اگر بخشے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے نری تجھی کو، سوا سب مسلمانوں کے۔ (۴۴۶)

ابوعبیدہ معمر بن المثنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ میں جب خیبر سے فارغ ہوئے تو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ ادھر حبشہ سے حضرت جعفرؓ بن ابوطالب بھی مکہ مکرمہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے ذریعے حضرت میمونہ الحارث الہلالیہ کو نکاح کا پیغام بھیجا، کیونکہ ان کے ہاں ان کی بہن اسماء بنت عمیس تھیں۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول کرلیا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا اور سیدنا عباسؓ نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو "سرف" کے مقام پر عروسی ادا فرمائی۔ (۴۴۷)

فضل وکمال

ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا تفقہ فی الدین اور مسائل کا ادراک اُن کی علمی حیثیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ سیّدہؓ سے ۳۶ یا ۷۶ احادیث مروی ہیں۔ ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے حسب ذیل حضرات روایت کرتے ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن شداد بن الہاد، سیدنا عبدالرحمٰن بن السائب اور سیدنا یزید بن اصم (یہ سب سیّدہ کے بھانجے تھے)، عبیداللہ ابن خولانی (سیّدہ کے ربیب تھے)، ندبہ (باندی تھیں)، عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب،

عبیدہ بن سباق، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور عالیہ بنت سبیع وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۲۴۸)

سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، مومن بہنیں یہ ہیں: ام المومنین سیّدہ میمونہ، سیّدہ ام الفضل زوجہ سیّدنا عباس، سلمٰی زوجہ سیّدنا حمزہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہن۔ (۲۴۹)

ایک مرتبہ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پاس اس حال میں آئے کہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ سیّدہؓ نے دیکھ کر فرمایا، بیٹا! تمہاری یہ پراگندہ حالت کیوں ہے؟ بھانجے نے جواب دیا کہ ام عمارہ، یعنی میری بیوی نسوانی امراض میں مبتلا ہے، وہی بال سنوارتی اور کنگھی کرتی تھیں۔ فرمایا، بہت خوب! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو ہماری گود میں سر مبارک رکھ کر لیٹتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں، اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ دیتی تھیں۔ بیٹا! کیا ہاتھ میں بھی مرض ہوتا ہے؟ (۲۵۰)

احکامِ نبوی کی تعمیل ہمہ وقت پیشِ نظر رہتی تھی۔ ایک مرتبہ سیّدہؓ کی کنیز "بدیہ" حضرت ابن عباسؓ کے گھر گئی، دیکھا کہ میاں بیوی کے بستر دور دور بچھے ہیں۔ خیال ہوا، شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے۔ لیکن معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ بیوی کے ماہواری کے ایام میں اپنا بستر اُن سے علیحدہ کر لیتے ہیں اور اتنا پرہیز کہ اُن کے پاس لیٹتے بھی نہیں۔

جب ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی باندی کو کہا، انہیں جا کر کہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے سے اعراض نہیں کرنا چاہیے، آپ ﷺ تو اس حالت میں بستروں پر ہمارے ساتھ لیٹتے تھے۔ (۲۵۱)

ایک عورت نے بیماری میں منت مانی کہ شفایاب ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ کچھ دنوں بعد صحت یاب ہو گئی اور اپنی منت پوری کرنے کی غرض سے بیت المقدس جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جب رخصت ہوتے وقت سلام کرنے سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو سیّدہ نے فرمایا، تم یہیں مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ لو، کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کے ثواب سے ہزار گناہ زیادہ ہے، سوائے مسجد الحرام کے۔ (۲۵۲)

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اُن کے محاسن پیش فرماتی تھیں:

انها كانت من اتقانا الله و اوصلنا للرحم۔ (۲۵۳)

ترجمہ: میمونہؓ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار قرض لے لیتی تھیں، مگر فوراً ادا کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے پوچھا، آپ اس کو کیسے ادا کریں گی؟ جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے، اللہ جل شانہٗ اس کا قرض خود ادا کر دیتا ہے۔ (۲۵۴)

ایک مرتبہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی آزاد کی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس بات کی خبر نہ ہوئی۔ جب آپ ﷺ کی باری کے دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے لونڈی آزاد کرنے کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میمونہؓ! اگر تم لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتی تو زیادہ اجر ملتا، (۲۵۵) یعنی صلہ رحمی کا بھی اجر ملتا۔

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جس مقام "سرف" پر ہوا تھا، اُسی مقام پر آپ کا انتقال بھی ہوا۔ سیّدہؓ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں، وہاں طبیعت علیل ہوئی تو فرمایا، مجھے یہاں سے لے چلو، میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا تھا کہ میری موت مکہ میں واقع نہیں ہو گی۔ اور وہاں کوئی ان کا قریبی نہ تھا۔ چنانچہ جب سرف کے مقام پر اُس درخت کے پاس پہنچے جہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے ساتھ شبِ زفاف بسر فرمائی تھی، وہیں اُن کا انتقال ہو گیا اور اُسی جگہ اُن کی تدفین ہوئی۔ (۲۵۶)

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وفات میں کئی اقوال پائے جاتے ہیں، مگر راجح ۵۱ھ ہی ہے۔ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں حضرت ابن عباس، یزید بن الاصم اور عبید اللہ بن شداد نے اتارا۔ یہ تینوں سیّدہؓ کے بھانجے تھے۔ (۲۵۷)

وصال کے وقت سیّدہؓ کی عمر ۸۱ یا ۸۵ سال تھی، اور یہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ (۲۵۸)

سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا "ماریہ قبطیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو اسکندریہ مصر قبط کے بادشاہ مقوقس کی طرف بھی ایک نامہ مبارک حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔

بادشاہ مقوقس آپ ﷺ کی دعوت سے بیحد متاثر ہوا اور آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں نادر، قیمتی اور عالیشان تحائف بھیجے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ ایک حسین وجمیل باندی، جس کا نام "ماریہ بنت شمعون" تھا۔

۲۔ ماریہ کی بہن "سیرین" نامی باندی۔

۳۔ حبشی خادم، جس کا نام "مابور" تھا۔

۴۔ سفید پیشانی والا خچر، جس کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے "دلدل" رکھا تھا۔ یہ اپنے خوبصورت سفید رنگ کی وجہ سے عرب میں ایک خاص یکتائی کا حامل تھا۔

۵۔ زین ولگام سے مسلح عمدہ گھوڑا، جس کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے "سیمون" رکھا تھا۔

۶۔ بھورے رنگ کا حمار، آپ ﷺ اسے "عفیر" کے نام سے پکارتے تھے۔

۷۔ ایک ہزار مثقال سونا

۸۔ بیس عدد انتہائی نفیس مصری کپڑے

۹۔ شہد، وغیرہ

خاندانی تعارف

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا مصریہ ہیں، جنہیں مؤرخین "قبطیہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ سیدہ ماریہ مصر کے ایک اعلیٰ خاندان "حفن" سے تعلق رکھتی تھیں، جو مصر کے علاقہ "انصنا"

میں آباد تھا۔ سیدہ کے والد شمعون مصری قبطی شخص تھے، جبکہ ماریہ کی والدہ ایک رومن خاتون تھیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے اپنا بچپن اپنے گاؤں میں گزارا، پھر اپنی بہن کے ساتھ مقوقس کے محل میں منتقل ہوگئیں۔ یہ بات اہلِ تاریخ سے پوشیدہ ہے کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنا شہر چھوڑنے پر برانگیختہ کیا۔ کیونکہ اہلِ مصر کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنا ملک نہیں چھوڑتے اور دریائے نیل کی طرح مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی سخت مجبوری لاحق ہو تو اہلِ مصر اپنا ملک چھوڑنے پر بہر حال تیار ہو ہی جاتے ہیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی طرح ہو جائیں۔ اُن کے دل میں یہ خواہش کیسے پیدا ہوئی؟...... اس میں مختلف احتمال ہیں: یا تو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے کتب سابقہ کا مطالعہ کیا تھا، اُن کتابوں میں پیغمبرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تھا، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورۃ الصف:۶)

ترجمہ: جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام "احمد" ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قصے اور اُن کے حالات کا مطالعہ کیا ہو۔

حریمِ نبویؐ میں آمد

جب حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے شاہ مقوقس کے تحائف سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلی معلوم ہوئیں، لہٰذا آپ ﷺ نے

اپنے لیے ان کا انتخاب فرمالیا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا گوری رنگت اور خوبصورت بالوں کی حامل حسین وجمیل خاتون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حجروں میں نہ رہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے مدینہ کے ''عالیہ'' نامی خوبصورت علاقہ میں حضرت ماریہؓ کی رہائش کا انتظام کروایا۔ یہ علاقہ خوبصورت وشاداب درختوں پر مشتمل تھا۔ شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہ تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو سرسبز جگہ رہائش دی جائے، تاکہ یہ ان کے ملک مصر کے مشابہ ہو، کیونکہ مصر اپنی زرخیزی وشادابی میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔

آپ ﷺ کثرت سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کے پاس کافی وقت گزار دیتے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قلبی تعلق کی وجہ سے دوسری ازواج کو فطری افسوس لاحق تھا۔ لیکن انہیں اس بات سے تسلی ہو جاتی تھی کہ حضرت ماریہ عربی النسل نہیں ہیں۔

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا میں ایسی خصوصیات کا مشاہدہ فرمایا جو کسی دوسری زوجہ میں نہ تھیں۔ یہ مصری خاتون کی شان تھی۔ وہ اپنے معاملہ میں یکتا تھیں، لہٰذا انہوں نے کئی خصوصیات کو حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پردا کروایا۔ ان کے پاس اکثر تشریف لے جاتے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ یہاں اس لیے آئی ہیں تاکہ خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں، جن کے بارے میں آسمانی کتابیں بھی خبر دیتی ہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ کسی ایسے مسلمان سے شادی کریں جو اس نبی پر ایمان لایا ہو۔ لیکن خدا کی قدرت! وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مربوط ہو چکی تھیں، لہٰذا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے ان اخلاق وآداب کو اختیار کیا جو انہیں اپنانے چاہئیں تھے۔ خاموشی کے ساتھ اللہ کی بندگی میں لگی رہتیں۔ انسانیت کے رسول اور اپنے ذی قدر خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہتیں۔

فرزندِ ارجمند کی ولادت

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ کسی معجزہ کا ظہور ہو، وہ حاملہ ہوں اور لڑکے کو جنم دیں، تاکہ حضرت ہاجرہ مصریہ علیہا السلام کے مثل ہو جائیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شادی فرمائی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کا پورا ہونا بظاہر ناممکن تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے اب تک کسی کے ساتھ یہ حالت پیدا نہ ہوئی تھی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہوں نے کئی سال گزار دیے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کو پورا فرمایا۔ وہ حاملہ ہو گئیں اور اُن کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

ایک بدگمانی کا ازالہ

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر بعض لوگوں کی بدگمانی سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ مقوقس نے حضرت ماریہؓ اور اُن کی بہن کے ساتھ مابور نامی ایک غلام کو بھی روانہ کیا تھا، تاکہ ان دونوں کی ضروریات کی دیکھ بھال اور انتظام وانصرام کرے اور اُن کی خدمت کرے۔ لہٰذا مابور اُن کے لیے لکڑیاں چنا کرتا تھا، پانی کے مشکیزے بھرتا اور ضرورت کا سامان خرید کرلا دیتا۔

لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنانی شروع کر دیں اور پردیسیوں کا خیال کیے بغیر اُن کے بارے میں بدگمانی شروع کر دی۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک غلام نے ایک باندی سے صحبت کی ہے۔

یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو دیکھا کہ غلام سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے لیے پانی بھر رہا ہے، پھر اُس نے پانی کا مشکیزہ پھینکا اور کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر مابور پر پڑی، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ خصی اور نامرد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تُو درست رائے تک پہنچا ہے، حاضر وہ چیز دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔ (۳۵۹)

حضور ﷺ کے بعد سیدہؓ کا طرزِ زندگی

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باوفا اور ثابت قدم اہلیہ ثابت ہوئیں۔ لیکن حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے

بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ دنیا میں موجود نہ رہے۔ آپ ﷺ کو مرض الوفات لاحق ہوا، آخری وقت میں تمام زوجات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں۔ یہاں تک کہ داعی اجل نے پکارا۔ آپ ﷺ نے اسے لبیک کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا غموں سے ڈوب گئیں اور آپ ﷺ کی وفات پر شدتِ الم سے آنسوؤں کی برسات اُن کی آنکھوں سے جاری تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ مصر واپس جا کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ مل جانے اور وہیں زندگی گزارنے کے بارے میں نہ سوچا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے عبادت گزاری اور مکمل گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی اپنی بہن سیرین کے علاوہ کسی سے نہ ملتی تھیں۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہؓ کی دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے۔ ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور اُن کے احوال وحاجات کا انتظام بھی اپنے ذمے لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رفیق اعلیٰ سے وصال کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ وہ بھی ان کی زیارت کرتے، ان کی ضروریات کو پورا کرتے اور اُن کے لیے قیمتی عطایا کا انتظام فرماتے، اُن کی زندگی عمدہ بنانے کی کوشش اور سعی فرماتے۔

سانحۂ ارتحال

ہجرت کے سولہویں سال، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا۔ حضرت ماریہؓ کی تجہیز وتکفین کا انتظام فرمایا اور انہیں جنت البقیع میں اُن کے بیٹے حضرت ابراہیمؓ کے قریب دفن کردیا۔

آلِ بیتِ ولادت

شاہِ کونین ﷺ کی شہزادیاں

علامہ قسطلانی (م۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

ان جملہ ما اتفق علیہ منھم ستۃ، القاسم و ابراھیم، و اربع بنات، زینب و رقیہ و اُم کلثوم و فاطمۃ. و کلھن ادرکن الاسلام وھاجرن معہ. و اما ابراھیم فمن ماریہ القبطیۃ.[1]

ترجمہ: اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور ﷺ کی چھ اولادیں ہوئی ہیں: قاسمؓ، ابراہیمؓ اور چار بیٹیاں: زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ۔ تمام بیٹیاں اسلام سے مشرف ہوئیں اور اپنے والدِ گرامیٔ قدر کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ سوا حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیمؓ کے، وہ سیّدہ ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے۔

شہزادی زینب رضی اللہ عنہا

شہزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جنم لینے والی سب سے پہلی چشم و چراغ خاندانِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم تھیں۔ عربوں کی عادت یہ تھی کہ پہلے بچے کی پیدائش پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مبارک نکاح کے اس ثمرہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ پر اُس کا شکر ادا کیا۔

سب سے بڑی بیٹی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت کے وقت حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی۔ (۲)

قبولِ اسلام

اعلانِ نبوت کے بعد اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام میں داخل ہوئیں، اور اُن کے ساتھ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس طرح آپ کی چاروں شہزادیاں بھی ابتدا ہی سے نورِ ایمان واسلام سے شرف بار ہوگئی تھیں۔ (۳)

عقدِ نکاح

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد نے اپنے بیٹے ابوالعاص کے لیے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش بھی یہی تھی کیونکہ ابوالعاص بچپن ہی سے عمدہ عادات وخصائل اور شریفانہ اخلاق کے مالک تھے، اور سیدہ خدیجہؓ اُن سے بیٹوں کی طرح محبت کرتی تھیں۔ بہرحال حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے اتفاق فرمایا، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص کے ساتھ ہوگیا۔ اور یہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو ابوالعاص کو بھی ایمان کی دعوت دی گئی، لیکن وہ اپنے قدیم دین پر عرصہ تک قائم رہے۔ (۴)

معرکۂ بدر میں ابوالعاص کی شمولیت

معرکۂ بدر میں ابوالعاص بھی مشرکینِ مکہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین بُری طرح خائب وخاسر اور ناکام ہوئے۔ ستر نامی گرامی سردار قتل اور ستر آدمی گرفتار ہوگئے۔ ابوالعاص بھی قید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مشرکین سے قیدیوں کے سلسلہ میں اپنا حق وصول کریں، لہٰذا وہ بہت زیادہ فدیہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اہلِ مکہ نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو اپنے قیدیوں کو آزاد کروانے کی فکر میں قبول کرلیا تھا، کیونکہ اہلِ مکہ جلد از جلد اپنے قیدیوں کو آزاد کروانا چاہتے تھے، تاکہ اس عار سے نکل سکیں جو اُن کے مقدر میں لکھا جاچکا تھا۔

قیدیوں کو آزاد کروانے کے لیے آنے والوں میں ابوالعاص کے بھائی بھی تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''میں زینب بنت محمد کی طرف سے آیا

ہوں اور میرے پاس ایک تھیلی ہے۔'' اُس نے وہ تھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا، ''یہ میرے پاس ابوالعاص کا فدیہ ہے۔'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تھیلی کو کھولا تو دیکھا تو حیران ہوئے اور فرمایا، ''اے زینب! اللہ تیرا بھلا کرے، یہ تو خدیجہؓ کا ہار ہے۔'' پھر خاموش ہوگئے اور فرمایا کہ ''یہ ہار زینب کی والدہ نے ان کی شادی کے موقع پر انہیں ہدیہ کیا تھا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہوگئے۔ انہوں نے معاملہ کی سنگینی کو بھانپ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے اور فرمایا، ''اگر تمہاری رائے ہو تو اُس کا قیدی چھوڑ دو، اور اُس کا مال بھی واپس کردو۔'' صحابہ نے خوشی کے ساتھ اس رائے کو قبول کرلیا۔ (۵)

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ بھی لے لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔

سیدہ زینبؓ کی ہجرتِ مدینہ

جب ابوالعاص بن ربیع مکہ پہنچے تو اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ جانے کی تیاری کرلیں۔ پھر اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کو حکم دیا کہ ان کے لیے اونٹ تیار کریں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہوگئیں۔ کنانہ نے اپنی کمان کو پکڑا، تلوار کو لٹکایا اور دن کے وقت اونٹ کی لگام پکڑے لوگوں کے سامنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کجاوہ میں بٹھا کرلے کر چل پڑے۔

قومِ قریش کو اس واقعہ کی خبر ہوچکی تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ کو بھی اطلاع پہنچی۔ غزوہ بدر کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے اور جنگ کے مقتولوں کے چہرے اس کے تصورات میں چھائے ہوئے تھے۔ وہ روزانہ قریش کی محافل میں جاتی، لوگوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے پر برانگیختہ کرتی، کیونکہ انہوں نے اس کے باپ عتبہ بن ربیعہ، چچا شیبہ، اس کے بھائی ولید ابن عتبہ، اس کے چچازاد عبیدہ اور عاص بن سعید بن العاص اور اُس کے سوتیلے بیٹے حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب کو قتل کردیا تھا۔

ہند حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُس گفتگو کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں، میں مکہ میں اپنے والد کے پاس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ہندہ بنت

عتبہ میرے پاس آئیں اور کہا: "اے محمد کی بیٹی! میں نے سنا ہے کہ تو اپنے والد کے پاس جا رہی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟" میں نے کہا کہ "میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

ہند نے کہا: "آپ ایسا نہ کریں، اگر آپ کو سفر میں ضرورت کو پورا کرنے کا سامان درکار ہو یا اپنے والد تک پہنچنے کے لیے مال کی ضرورت ہو تو میں آپ کی ضروریات پوری کر سکتی ہوں، آپ مجھ سے نہ ڈریں، کیونکہ جو دشمنی مردوں کے مابین ہے، وہ عورتوں کے درمیان داخل نہیں ہو سکتی۔"

مشکل کا سامنا

کفار مکہ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکہ سے نکلنے کا علم ہو گیا، لہٰذا انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پیچھا کیا۔ سب سے آگے ہبار بن اسود اور نافع یا خالد بن عبد قیس تھے۔ ہبار نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو نوکدار مہمیز چبھوئی اور انہیں چٹان پر گرا دیا۔ ان دنوں حضرت زینب رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور آپؓ کے حمل کو چار ماہ گزر چکے تھے۔ حمل ساقط ہو گیا۔ حمل کے ساقط ہونے کی وجہ سے انہیں ضعف اور مرض لاحق ہو گیا۔

ابو العاص کا بھائی کنانہ (جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا) لوگوں سے لڑنے کو تیار ہوا، لیکن وہ لوگ اس سے بہت دور تھے۔ ابو سفیان دور کھڑا کنانہ بن ربیع سے گفتگو کرنے لگا اور پکار پکار کر کہا: "ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں، اپنے حملہ کو روک لو۔" ابو سفیان ان کے بالکل قریب آیا اور کہا: "اے کنانہ ابن الربیع! تو نے درست کام نہیں کیا، تو علی الاعلان اس عورت کو لوگوں کے سامنے سے لے کر نکلا، حالانکہ تجھے اس مصیبت کا علم تھا جو ہمیں لاحق ہوئی تھی۔ اور تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر حملہ کا بھی علم ہے۔ لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ مصیبت ہمیں بزدلی کی وجہ سے پہنچی ہے اور اب ہم کمزور اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ بخدا ہمیں زینبؓ کو اس کے والد کے پاس جانے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن جب آوازیں ماند پڑ جائیں گی اور لوگ یہ باتیں کرنے لگیں گے کہ ہم نے اسے واپس کر دیا ہے تو خاموشی سے اسے لے جانا اور اسے اس کے والد سے ملا دینا۔"

جب ہندہ بنت عتبہ کو اس سارے واقعہ اور حضرت زینبؓ کی واپسی کا علم ہوا تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ وہ اپنی قوم کا مذاق اڑانے لگیں اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا: "کیا ایک عورت کے خلاف معرکہ لڑ رہے ہو؟ یہ بہادری یوم بدر میں کیوں نہ تھی؟"

افی السلم اعیار جفاء و غلظة
وفی الحرب اشباه النساء العوارک

ترجمہ: امن کے موقع پر سخت اور پچھاڑنے والے بہادر گدھے بن جاتے ہیں، جبکہ لڑائی میں پردہ نشین عورتوں کے مثل ہو جاتے ہو۔

(یعنی: امن کے موقع پر غصہ، بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ تو کرتے ہو، لیکن جنگ میں شریف عورتوں کی طرح شرمیلے بن جاتے ہو)۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مقام "ذوطویٰ" تک پہنچ چکی تھیں، لیکن ان کے خالہ زاد کنانہ بن ربیع مجبور تھے کہ انہیں واپس مکہ لائیں۔ کیونکہ ان کا حمل بھی ضائع ہو چکا تھا اور کمزوری اور ناتوانی کا شکار ہو چکی تھیں۔

کچھ دن وہ گھر میں رہیں، آرام کیا، پھر سفر شروع کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے قریب زید بن حارثؓ اور اُن کے ساتھ موجود صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی اور آپ مدینہ پہنچ گئیں۔ (۶)

اوباشوں کے قتل کا حکم

بیٹی کے ان دل آزار حالات کی اطلاع جب رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو غمگین بھی ہوئے اور غضب ناک بھی۔ آپ ﷺ نے ان ظالم اور بدکردار افراد کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ٹھان لی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس میں شامل تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اگر ہبار بن اسود اور نافع بن عبد قیس، جس نے سیدہ زینبؓ کی طرف دستِ ستم دراز کیا تھا، دونوں کو پکڑ کر جلا دینا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ہمیں دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہیں دو آدمیوں کو جلا دینے کا حکم دیا تھا، بعد میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص کے لیے یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ کی سزا کسی کو دے، لہٰذا تم ان دونوں کو قتل کر دینا۔ (۷)

مدنی زندگی

حضرت زینبؓ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں زندگی

گزارنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کرتے، اپنے نواسے اور نواسی کو پیار کرتے۔ حضرت زینبؓ دیکھتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے امور میں مصروف ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت بجلی کی رفتار سے دنیا کے ملکوں میں پھیلتی جارہی ہے، لیکن مکہ اور مدینہ والوں کے درمیان دشمنی بڑھتی جارہی تھی۔ مسلمان ان تکالیف کو فراموش نہ کر سکے تھے جو انہیں قریشی سرداروں کے ہاتھوں سے پہنچی تھیں۔ دشمنی بدستور قائم تھی اور انتقام کے موقع کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مسلمان صحراؤں کا چکر لگایا کرتے تھے، تاکہ شام سے آنے یا شام کی طرف جانے والے کسی کافر کو پکڑ لیں۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکر اُن کے تاجروں اور قافلوں کو تلاش کرتے تھے تاکہ مکہ کے لوگوں کو پکڑ لیں اور اُن کا سامانِ تجارت حاصل کر لیں۔

ابوالعاص کے تجارتی قافلے پر حملہ

اسی طرح ایک مرتبہ وہ صحرا کا چکر لگا رہے تھے کہ انہوں نے شام سے ایک قافلہ آتے ہوئے دیکھا۔ یہ اس کی گھات میں بیٹھ گئے، پھر اُس کو گھیر لیا۔ جو کچھ ان کے پاس تھا، سارے کا سارا چھین لیا۔ اگر اُس قافلہ کے افراد قتل کے خوف سے فرار نہ ہو جاتے تو مسلمان ان کو قیدی بنا لیتے۔

قافلہ کے افراد اپنے شہر مکہ پہنچے، سوائے ابوالعاص کے۔ کیونکہ وہ مستقبل کی منصوبہ سازی کر رہا تھا۔ بہت سے قریشی لوگوں نے اسے بہت سا مال دے رکھا تھا، جس کی واپسی کا وہ ذمہ دار تھا۔ وہ کوئی ایسا حل سوچ رہا تھا جس کے ذریعے سارا یا بعض مال واپس لینے کا انتظام ہو جائے، یا پھر کوئی ایسا کام کرے جس سے مکہ والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے پاس موجود مال میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور اُس نے اس مال کی خاطر وہ سب کچھ کیا جو اُس کی قدرت میں تھا۔

مال کے لیے ابوالعاص کی تگ ودو

آخر کار ابوالعاص اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ اپنی خالہ زاد حضرت زینبؓ کے پاس جائے اور اُن سے مال کی واپسی کا کوئی راستہ نکلوائے۔

جب رات ہوئی، وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مدینہ میں داخل ہوا۔ چلتے چلتے سیدہ زینبؓ کے گھر پہنچا۔ اس نے حضرت زینبؓ کو پناہ کے لیے پکارا۔ حضرت زینبؓ نے اسے پناہ دے دی۔ صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی، نمازی صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ''اللہ اکبر'' فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی ''اللہ اکبر'' کہا، اچانک سب نے ایک آواز سنی۔ یہ حضرت زینبؓ کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں، ''اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ''اے لوگو! جو میں نے سنا، وہ تم نے سنا ہے؟'' لوگوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ میں نے بھی وہی سنا جو تم نے سنا ہے، مسلمانوں کا ادنیٰ ترین شخص بھی پناہ دے سکتا ہے، اور تحقیق جس کو زینبؓ نے پناہ دی، اُسے ہم نے بھی پناہ دی۔''(۸)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے۔ حضرت زینبؓ نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اے میری بیٹی! اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، لیکن وہ آپ کے بارے میں بے لوث نہ ہونے پائے، کیونکہ اب آپ اس کے لیے حلال نہیں ہیں۔''(۹)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص پہ احسان

ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساری بات سنائی کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئے، بلکہ وہ تو کسی اور کام کے لیے آئے ہیں۔ یعنی صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے تجارت کی غرض سے شام سے واپس آ رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ قریشی مرد بھی تھے کہ اچانک مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان پر حملہ کر دیا، جس میں زید بن حارثؓ بھی تھے اور اُن کے ساتھ ایک سو ستر آدمی تھے۔ انہوں نے قریشیوں سے سارا مال چھین لیا اور قریشی قتل کے خوف سے فرار ہوئے۔ اور یہ بھی ڈرتے ہوئے اپنی خالہ کی بیٹی کے گھر میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔

حضرت زینبؓ نے کہا، ''میں اپنی خالہ کے بیٹے اور علی اور امامہ کے والد کو خوش آمدید کہتی ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا، ''اس شخص کا جو تعلق ہمارے ساتھ ہے تم حضرات اچھی طرح جانتے ہو۔ جو مال تمہارے ہاتھ لگا ہے، یہ عنایتِ خداوندی ہے۔ مگر میں پسند کرتا ہوں کہ تم لوگ اس پر احسان کرو اور مال واپس کر دو۔ اگر تم مال واپس کرنے پر

رضامند نہیں ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ تم مال کے زیادہ حقدار ہو۔"

صحابہ کرامؓ نے برضاو رغبت تمام مال واپس کر دیا یہاں تک کہ اونٹ کی نکیل کی رسی تک بھی واپس لوٹا دی۔ ابوالعاص تمام مال لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں ہر کسی کا مال اس کے سپرد کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور پھر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ (۱۰)

تجدید نکاح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور دو گواہوں اور ایک ولی کی موجودگی میں نکاح جدید کروایا۔ بعض مورخین کے نزدیک پہلے نکاح کو ہی لوٹایا تھا۔

حضرت ابوالعاصؓ، زینبؓ اور اُن کے بچے علی اور امامہ جمع ہو گئے۔ اس تعلق کو ایک سال گزرا تھا کہ ۸ سن ہجری شروع ہو گیا۔ حضرت زینبؓ اس واقعہ کی وجہ سے ابھی تک متاثر تھیں جو انہیں پہلی مرتبہ مدینہ آتے ہوئے پیش آیا تھا۔ اُن کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور وہ چٹان پر گر گئی تھیں۔ وہ اس تکلیف کو محسوس کرتی رہیں۔ مرض بڑھتا رہا، کوئی علاج معالجہ اور ابوالعاص کی تیمارداری و دیکھ بھال راس نہ آئی۔ حضرت زینبؓ بستر پر پڑی اللہ کے امر کا انتظار کرنے لگیں، یہاں تک کہ آخری وقت آیا اور وہ دار آخرت کی طرف منتقل ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین دل کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے لیے اللہ سے دعا کی۔ عورتوں کو نصیحت کی کہ ان کو طاق عدد میں غسل دیں اور آخر میں انہیں کافور خوشبو لگائیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ پھر مدینہ میں موجود صحابہ کرامؓ نے انہیں ان کے آخری گھر میں منتقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر رحم کرے اور اُن سے راضی ہو۔

شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری شہزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش سیّدہ زینبؓ کے تین سال بعد ہوئی۔ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ مکرمہ ام المومنین سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ازدواجی زندگی

قدیم دستور کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں، سیّدہ رقیہ اور سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کا رشتہ یعنی منگنی اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا۔ یہ صرف انتساب نکاح تھا، رخصتی اور عروسی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں، تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ، تو ابولہب نے دونوں بیٹوں پر زور دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے کر فارغ کر دو۔ چنانچہ طلاق دے کر انہیں علیحدہ کر دیا گیا۔ (۱۱)

سیّدہؓ کے ساتھ عثمانؓ کا عقد

چونکہ اب اسلام کا دور دورہ شروع ہو چکا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل حکم خداوندی کے تابع ہوتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ما انا ازوج بناتی. ولکن اللہ تعالٰی یزوجھن. (۱۲)

ترجمہ: میں اپنی لخت جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

جب حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو ارشاد فرمایا:

وما زوجته الا بالوحي من الله۔ (۱۳)

ترجمہ: میں نے اللہ کے حکم سے اپنی بیٹی کا نکاح عثمان کے ساتھ کیا ہے۔

ہجرتِ حبشہ

مسلمانوں کی ایک جماعت، جو کفار کی تکالیف سے تنگ آ چکی تھی، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ برائی کا بدلہ برائی اور لڑائی کا بدلہ لڑائی سے دیا جائے۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ ایسا کرنا اُس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں تھوڑی ہے۔

تمام لوگ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اشارہ کے منتظر تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے مسلمانوں سے جو گفتگو فرمائی، اُس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ کفار کی سختیوں کو روکنے کی قدرت نہیں رکھتے، لیکن ان کو اس بات کا مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سرزمین حبشہ کی طرف نکل جائیں، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی موجودگی میں کسی پر ظلم نہیں ہو سکتا۔ وہ سلامتی والی سرزمین ہے، یہ لوگ وہیں رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرما دے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جنہوں نے ہجرت میں اپنے خاوند کی موافقت کی۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے کبھی مکہ کو نہ چھوڑا تھا اور نہ ہی ان کے بس میں تھا کہ وہ اپنے گھر کو چھوڑ دیں۔ لیکن اپنے خاوند کی موافقت کی محبت اور اُن کی خاطر قربانی کے جذبہ نے ہجرت پر اُبھارا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جدائی برداشت نہ کر سکتی تھیں، لیکن انہوں نے اس جدائی کو محض اس لیے برداشت کیا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ رہیں۔

یہ نیک بخت خاتون اپنے عظیم خاوند کے ساتھ لمبے سفر کے لیے روانہ ہو گئی۔ یہ ایک بہت مختصری جماعت تھی جو تقریباً دس افراد پر مشتمل تھی۔ آلِ عثمان میں سے ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، جو ابوسفیان کی اہلیہ ہند کے بھائی تھے اور اُن کی بیوی سہلہ بنت سہیل عامریہ رضی اللہ عنہم شامل

تھے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر بن ہاشم اور دوسرے اہل و اقارب شامل جماعت و رفقاءِ سفر تھے۔

یہ ایمانی قافلہ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ارضِ حبشہ میں پہنچا۔ وہاں امن و امان، عبادت کی آزادی اور اطمینان میسر آیا۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

”اسلام میں پہلی ہجرت ملک حبش کی طرف تھی، اور مسلمانوں میں سب سے پہلے جو شخص ہجرت کے لیے نکلا، وہ عثمان بن عفان تھا اور اُن کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔“ (۱۴)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیده انه اوّل من هاجر بعد ابراهیم و لوطٌ۔ (۱۵)

ترجمہ: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السّلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

حبشہ کی طرف ہجرتِ ثانیہ

مسلمان چند سال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ پھر ایک غلط خبر پا کر مکہ کی طرف واپس لوٹے۔ جب یہ قافلۂ اسلام مکہ کے قریب پہنچا تو انہیں مکہ کا ایک شخص ملا، جس کا تعلق کنانہ قبیلہ سے تھا۔ مہاجرین نے اس سے قریش اور ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو اُس شخص نے جواب دیا، ”محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم بدستور اُن کے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں، قریش والے ان کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں، ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے۔“

مہاجرین نے دوبارہ حبشہ کی طرف لوٹ جانے کے بارے میں غور و فکر کیا۔ پھر کہا کہ ہمیں خود مکہ میں داخل ہو کر قریش کے رویہ پر غور کرنا چاہیے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ سے لوٹ آئے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کی ہجرت کی صورت سامنے آ گئی۔ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کو مدینہ کی ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ کے

ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

سیدنا عثمان اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما وہ خوش نصیب انسان ہیں جنہیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ اعزاز بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اور پھر ہجرت حبشہ میں سبقت کا اعزاز بھی انہی کو حاصل ہوا۔ ہجرت اولی کے مہاجرین میں سب سے اسبق و اول آپ ہی تھے۔ گویا کہ "ام المہاجرین" کی حیثیت کے حامل تھے، اور لسانِ نبوت سے بھی اس شرف و افتخار کا اعلان ہوا تھا۔

شوہر کی خدمت گزاری

جیسا کہ ایک وفاشعار بیوی خاوند پر سو جان سے نثار ہوتی ہے، اور خاوند کی خدمت اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی ترغیب اور تربیت تھی۔ حدیث شریف میں ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو اُس وقت سیدہ رقیہؓ اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی تھیں اور کنگھی سے اُن کے بال سنوار رہی تھیں۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

یا بنیة! احسنی الی ابی عبداللّٰه. فانه اشبه اصحابی بی خلقًا. (۱۶)

ترجمہ: اے جانِ پدر! اپنے شوہر عثمان کے ساتھ حسنِ معاملہ اور عمدہ سلوک کرنا۔ حسنِ اخلاق کے اعتبار سے وہ تمام صحابہ میں سے میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ ناز پروردہ صاحبزادی شوہر کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی کتنے خوش نصیب ہیں جن کی توصیف لسانِ نبوت سے کی جا رہی ہے۔

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی باہمی محبت و اُلفت اور حسنِ معاشرت لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ اور اُن کے اس قابلِ تحسین لائحہ عمل کے پیشِ نظر یہ بات زبان زدِ عام تھی:

احسن الزوجین راهما الانسان
رقیة وزوجها العثمان (۱۷)

ترجمہ: میاں بیوی کا سب سے اچھا جوڑا جو لوگوں نے دیکھا ہے، وہ رقیہؓ اور عثمانؓ ہیں۔

سانحۂ ارتحال

۲ھ میں جب کفر اور اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ جنگ بدر برپا ہونے والا تھا، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ غزوہ بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو خسرہ کا عارضہ لاحق ہو گیا اور نہایت سخت تکلیف ہوئی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ سے فرمایا، رقیہؓ بیمار ہیں، آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے خادمِ خاص حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بھی مدینہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شمولیت کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، جو آپ کی بیوی تھیں، بیمار تھیں۔

فقال له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انّ لک اجر رجل ممن شهد بدراً و سهمة. (۱۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اس کی تیمارداری کرو اور تمہیں اس شخص کے برابر اجر اور مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا، جتنا بدر میں شریک ہونے والے کو ملے گا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) رقم طراز ہیں:

تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عثمانؓ غزوہ بدر میں محض اس وجہ سے شریک نہ ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ اپنی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری پر مامور تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مالِ غنیمت میں حصہ عطا فرمایا، اور شرکتِ بدر کے اجر و ثواب کی بشارت بھی سنائی۔ (۱۹)

عین اسی دن، جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں آ کر فتح بدر کا مژدہ سنایا، سیدہ رقیہؓ نے وفات پائی۔ ادھر مسلمان غزوہ بدر میں اللہ کی مدد کے نزول کی فرحت سے سرشار ہو کر مدینہ واپس لوٹ رہے تھے، اسی خوشی میں سیدہ کے انتقال کے غم کا پہلو بھی شامل ہو گیا۔

وصال کے وقت سیّدہ کی عمر بیس سال تھی۔ (۲۰)

سیّدہ کا انتقال ہجرت کے دوسرے سال ہوا۔ (۲۱)

اولادِ امجاد

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہا سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ دونوں کی ولادت حبشہ کے دوران ہوئی۔ ایک بچہ ناتمام پیدا ہوا۔ پھر دوسرا بچہ اللہ نے عطا فرمایا، جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسی کے نام سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں مرغ نے بچے کے چہرے پر ٹھونگ ماری۔ چہرہ پر ورم آ گیا، اور اسی عارضہ میں بچے کا انتقال ہو گیا۔ (۲۲)

سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت کے متعلق مورخین کی مختلف آراء ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ وہ اپنی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی اور اپنی بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اُن کی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں، ان کی پیدائش مصعب کے بیان کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوئی۔ اور علم الانساب کے اکثر علماء کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی کے متعلق بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن بڑی بیٹی کے متعلق اختلاف شاذ ہے (یعنی بڑی زینب رضی اللہ عنہا ہی ہیں)۔ اور صحیح یہی ہے کہ سب سے بڑی زینب رضی اللہ عنہا ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رقیہ کے وصال کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ اور اس میں بھی یہ دلیل ہے کہ بڑی رقیہ تھیں اور ام کلثوم ان سے چھوٹی۔ کیونکہ عام دستور یہی ہے کہ پہلے بڑی کا عقد ہوا کرتا ہے اور پھر چھوٹی کا۔ (۲۳)

اسمِ گرامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری شہزادی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ اپنی کنیت "ام کلثوم" ہی کے نام سے شہرت رکھتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی نام معلوم نہ ہو سکا۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

وامام ام کلثوم ولایعرف لها اسم. انما تعرف بکنیتها. (۴۴)

ترجمہ: اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام معلوم نہیں، وہ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں:

لا اعلم احد أسماها. والظاهر ان اسمها كنيتها. (۴۵)

نکاحِ اوّل

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیقِ خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ پھر اپنے خادمِ خاص زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اپنے اہلِ بیت کو بھی مدینہ بلوا لیا۔ اس طرح شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی خاندان کے دوسرے افراد کی طرح مکہ سے مدینہ جا پہنچیں۔

نکاح کے غیبی اسباب

ادھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے بیحد محبت تھی اور یہ رشتۂ محبت

کہا۔ حضرت عمرؓ نے چند دن کے انتظار کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو توجہ دلائی۔ انہوں نے کہا، فی الحال نکاح کا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے ناگواری ہوئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے بھی یہ رشتہ قبول کرنے کی پیشکش کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی کسی مصلحت کے پیشِ نظر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک غیرت مند اور خود دار شخص تھے، اپنی اس غیر متوقع ناکامی پر آپ کو طیش بھی آیا اور رنج بھی ہوا۔ آپ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے اعتنائی کی شکایت پیش کی۔

کچھ روز بعد سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے کہا، عمر! آپ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی پیشکش کی اور میں نے خاموشی اختیار کی، آپ کو میری خاموشی بلکہ بے التفاتی ناگوار گزری، لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۲۸)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم لعل اللّٰہ تعالٰی یا عمر ان یاتیک بصهر هو خیر لک من عثمان. فتزوج رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم بابنة عمر رضی اللّٰہ عنه، وزوج رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ام کلثوم من عثمان. (۲۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، عمر! بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر داماد عطا کردے۔ پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح فرمالیا اور اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیّدنا عثمانؓ کے نکاح میں دے دی۔

ایک روایت ہے:

قال النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم، یا عمر! الا ادلک علی خیر لک

من عثمان، وادل عثمان علی خیر له منک. قال نعم، یا نبی اللّٰہ! قال زوجنی ابنتک، وازوج عثمان ابنتی. (۳۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اے عمرؓ! کیا میں تمہیں عثمانؓ سے بہتر داماد اور عثمانؓ کے لیے تیری بیٹی سے بہتر بیوی نہ بتاؤں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کی، جی ضرور بتائیں اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی بیٹی کا عقد میرے ساتھ کردو اور میں اپنی بیٹی کا نکاح عثمانؓ سے کیے دیتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے:

فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قد زوج اللّٰہ عثمان خیرًا من بنتک، وزوج ابنتک خیرًا من عثمان فتزوج رسول اللّٰہ حفصه، وزوج ام کلثوم من عثمان بن عفان. (۳۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اے عمر! اللہ تعالیٰ نے عثمانؓ کے ساتھ تیری بیٹی سے بہتر عورت کا نکاح کردیا ہے، اور تیری بیٹی کے لیے عثمانؓ سے بہتر خاوند عطا کردیا ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں:

فخار اللّٰہ لهما جمیعًا. کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم لحفصه خیرًا من عثمان، وکانت بنت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم لعثمان خیرًا من حفصة بنت عمر. (۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب ہی کے لیے فخر و ناز کا موجب بنادیا کہ حفصہؓ کے لیے عثمانؓ سے بہتر شوہر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بنادیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی (ام کلثومؓ) عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ سے بہتر عثمانؓ کو عطا فرمادی۔

سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس خوش آیند ارشاد سے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور حزن و ملال کافور ہوگیا اور مسرّت و اطمینان سے چہرہ شگفتہ ہوا جاتا تھا۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خوش کن خبر سن کر جھوم اٹھے کہ محسنِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سسر ہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔

حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیّدہ ام کلثوم

رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا، وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہ نفسِ نفیس خود رشتۂ زوجیت قائم کرنے کا فیصلہ فرما لیا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حق میں لفظ ''خیر'' استعمال فرمایا، جو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے بہت بڑا اعزاز اور اکرام ہے۔ یہی لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے بھی استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ کی ذات والا صفات تو بالیقین سب سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے لیے یہ لفظ استعمال فرما کر اُن کی شان اور مقام کو اُجاگر فرما دیا ہے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

و به استدل علی فضل بناته علی زوجاته. (۳۳)

حضور ﷺ کے اس ارشاد سے آپ ﷺ کی بیویوں پر بیٹیوں کی فضیلت پر استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حفصہ رضی اللہ عنہا سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو لفظ ''خیر'' سے تعبیر فرمایا۔ جن نیک سرشت صاحبزادیوں کو زبانِ نبوت سے ''خیر'' کہا جائے پھر اُن کے بنتِ رسول ہونے سے انکار کس قدر شقاوت اور بدبختی ہے۔

عثمانؓ سے نکاح کا اَمرِ ربی

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کے نکاح اللہ جل مجدہٗ کے حکم سے ہی کیے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ما انا ازوج بناتی، ولکن اللّٰہ تعالی یزوجھن. (۳۴)

ترجمہ: میں اپنی لختِ جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بلکہ اللہ جل مجدہٗ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

لیکن یہ اعزاز بالخصوص اور بالالتزام سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مقدر میں تھا کہ ایک مرتبہ نہیں بار بار آپ ﷺ نے یہ بشارتِ عظمٰی سنائی ہے کہ جبرئیل اللہ کا حکم لائے ہیں کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمانؓ سے کر دوں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا عثمان! ھذا جبریل علیہ السلام یامرنی عن امر اللّٰہ عزوجل ان

ازوجک اختھا ام کلثوم علی مثل صداقھا و علی مثل عشرتھا. فزوجه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ایاھا. (۳۵)

ترجمہ: اے عثمان! یہ جبرئیل امین ہیں، خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں رُقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح کر دوں اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر ہوا تھا، اُس کے موافق ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو، اور ان کی مصاحبت اور رفاقت بھی انہی کے مطابق ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھذا جبریل اخبرنی ان اللّٰہ عزوجل امرنی ان ازوجک اختھا رقیة. واجعل صداقھا مثل صداقِ اختھا. (۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتانی جبریل فقال، ان اللّٰہ یامرک ان تزوج عثمان ام کلثوم، علی مثل صداق رقیة و علی مثل صحبتھا. (۳۷)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، اللہ جل شانہٗ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ اور جتنا مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کا تجویز ہوا تھا، اُس کے برابر ہو اور صحبت و معاشرت بھی انہی کی مثل ہو۔

تاریخ نکاح

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ربیع الاوّل ۳ھ میں ہوا۔ اور چند ماہ بعد جمادی الثانی ۳ھ میں رخصتی ہوئی تھی۔ اس طرح قلیل مدت میں یہ تقریبِ سعید پوری ہوئی۔

فلما توفیت رقیة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خلف عثمان بن عفان علی ام کلثوم بنت رسول اللّٰہ. وکانت بکرًا. وذلک فی شھر ربیع الاوّل سنة ثلاث من الھجرة، وادخلت علیه فی ھذه السنة فی جمادی الاخرة. (۳۸)

ترجمہ: جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دوشیزہ تھیں۔ نکاح ماہ ربیع الاول تین ہجری میں ہوا اور اسی سال جمادی الثانی میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

رخصتی کے وقت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سے فرمایا:

اما انه اشبه الناس بجد ابراهیم و ابیک محمد. (۳۹)

ترجمہ: جانِ پدر! تو خوش نصیب ہے، تیرے شوہر کی شکل وصورت تیرے دادا ابراہیم اور تیرے والد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری شہزادی کا نکاح بھی اللہ جل شانہ کے حکم سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما زوجت عثمان ام کلثوم الا بوحی من السماء. (۴۰)

ترجمہ: میں نے عثمان کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

وما زوجته الا بوحی من السماء. (۴۱)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما زوجتهن الا بوحی من السماء. (۴۲)

ذوالنورین رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونو نظر یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں عطا فرمائی تھیں، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دوبار داماد رسول ﷺ بننے کا شرف حاصل ہوا ہے، اس لیے بارگاہِ نبوت سے آپ ﷺ کو "ذوالنورینؓ" کا یگانہ و فرزانہ خطاب عطا ہوا یعنی دو نور والے۔

علمائے امت اس بات پر متفق ہیں، سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سوا دنیا میں کوئی ایسا شخص نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہو گا جس کے عقد میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔ یہ ایسی امتیازی فضیلت ہے کہ بنی نوع انسان میں کوئی بھی اس میں آپ کے شریک و سہیم نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله اوحی الی ان ازوج کریمتی من عثمان. (۴۳)

ترجمہ: اللہ جل جلالہ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے عثمان سے نکاح کر دوں۔

عن عائشه قالت سمعت خلیلی رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول، اوحی الله الی ان ازوج کریمتی عثمان بن عفان، یعنی رقیة و ام کلثوم. (۴۴)

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دو پیاری بیٹیوں کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دوں، یعنی سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ "نور" ہے۔ عرض کیا گیا: "نور" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وانی زوجته ابنتی فذلک سماه الله عندالملائکة ذالنور. وسماه فی الجنان ذالنورین. (۴۵)

ترجمہ: اور بیشک میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں ان کا نام نور رکھا اور جنت میں انہیں "ذوالنورین" کہا گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کو "ذوالنورین" کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح مجھ سے فرمایا، اس لیے آسمانوں میں مجھے "ذوالنورین" کہا جانے لگا۔ (۴۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ذلک امرؤ یدعی فی السماء ذالنورین. (۴۷)

ترجمہ: یہ ایسا خوش نصیب آدمی ہے جس کو آسمانوں میں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

خاوند کا بلند مقام

وفا شعار بیوی ہر جگہ اپنے شوہر کو بلند مرتبہ دیکھنا چاہتی ہے۔ سرچشمہ مہر و وفا، جگر گوشۂ

رسول اللہ سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ایک مرتبہ انہیں یہ شوق ہوا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ ہے؟ چنانچہ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتی ہیں، ''اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟'' شفیق باپ نے خندہ روی سے فرمایا: ''پوچھو بیٹی! کون سی بات ہے؟''

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا شرم و حیا کے لہجے میں بولیں، ''میں آپ سے معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا؟''

جتنا اہم سوال تھا اتنا ہی نکتہ آفریں بھی، جسے سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر گویا ہوئے:

زوجتک من یحبه الله و رسوله. ویحب الله و رسوله. (۴۸)

ترجمہ: جانِ پدر! تجھے خوش ہونا چاہیے کہ تیرا شوہر عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتے ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول ان سے محبت کرتے ہیں۔

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہرِ نامدار کی منقبت و فضیلت سن کر بیحد خوش ہوئیں۔

اوصاف وخصائل

شہزادی سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نہایت نیک مزاج، خوش اطوار اور شیریں زبان تھیں۔ شوہر کی خدمت و فرمانبرداری دل و جان سے کرتی تھیں۔ میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ آخر دم تک سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں، لیکن باہمی اخلاص و محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار بھی کسی شکر رنجی کی نوبت نہیں آئی۔

اولاد

اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں وہی بہتر جانتا ہے۔ نظامِ عالم کے امور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور اولاد کا معاملہ بھی صرف اور صرف اس کے اختیار میں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

وَّاِنَاثًا ج وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا. (سورۃ الشوریٰ: ۴۹-۵۰)

ترجمہ: جسے چاہے بیٹیاں دے، جسے چاہے بیٹے دے، یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرمائے، اور جس کو چاہے بانجھ کر دے۔

انبیاء و اولیاء سب ہی اس کے سامنے بے بس ہیں، کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔

شہزادی سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ مورخین کا یہی اتفاق ہے کہ سیّدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔

وَلَمْ تَلِدْ لَهٗ شَيْئًا. (۴۹)

ترجمہ: اور عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

خوش پوش

شہزادی سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا خوش پوش خاتون تھیں۔ عمدہ اور باوقار لباس زیبِ تن کرتی تھیں۔ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے صاحبِ ثروت شوہر کے ساتھ یہ اندازِ معاشرت لازمی تھا۔ اور اس سے زوجین کے درمیان تعلقات کی شائستگی اور معاشرتی خوشحالی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں:

انه رأى على ام كلثوم بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم برد حرير سيراء. (۵۰)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم پر ایک بیش قیمت چادر دیکھی، جو ریشم کی دھاریوں سے بنی ہوئی تھی۔

سانحۂ ارتحال

شہزادی سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اجل کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ مشیتِ ایزدی کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے! آخر وہ حسرتناک گھڑی بھی آ ہی گئی جب سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے مغموم شوہر اور غمزدہ باپ کو چھوڑ کر راہیِ فردوس ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

وماتت فى شعبان سنة تسع من الهجرة. (۵۱)

ترجمہ: سیدہ ماہ شعبان ۹ھ میں سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئیں۔

اللہ جل شانہٗ کی شانِ بے نیازی کہ ۲ھ میں شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں، ۸ھ میں شہزادی زینب رضی اللہ عنہا خلد بریں میں جاگزیں ہو گئیں، اور ۹ھ میں شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب کو داغِ مفارقت دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دار الفنا سے دار البقا کو رحلت فرما گئیں۔

ہر شے مسافر ہر چیز راہی
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تینوں شہزادیوں کا سانحۂ ارتحال آپ ﷺ کی حیات ہی میں ہوا۔ اور تینوں شہزادے بھی صغرسنی ہی میں داغِ مفارقت دے کر جاں بحق تسلیم ہو گئے تھے۔ سوائے شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا، ساری اولادِ امجاد اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، لیکن ان اندوہناک حالات میں بھی صبر و استقلال ہی کا مظاہرہ دکھایا۔ جن جاں گسل اور روح فرسا واقعات و حالات کا سامنا انبیاء علیہم السلام کو کرنا پڑتا ہے، اور اللہ نے ان کو جو حوصلہ، صبر اور قوتِ برداشت عطا کر رکھی ہوتی ہے، وہ ان ہی کے شایانِ شان ہوتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل. (۵۲)

ترجمہ: لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو پیش آتی ہیں، پھر جو اُن سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

یہ بھی امت کی تسکین و تسلی اور رہنمائی کا ایک عبرت انگیز نمونہ ہے۔

عثمانؓ پر فدامیتِ بنات

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حسنِ معاشرت، اعلیٰ کردار اور بیویوں کے ساتھ انتہائی عمدہ اخلاق سے پیش آنے، اور ایک نہیں، نبی کی دو لختِ جگر شہزادیوں کے ساتھ زندگی میں کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آنے کی وجہ سے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل عثمان رضی اللہ عنہ سے بے حد خوش اور ہر اعتبار سے مطمئن تھا۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے نہ صرف سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے، بلکہ ارشاد فرمایا:

والرب عنک راضٍ. (۵۳)

ترجمہ: اور تجھ سے تیرا رب بھی راضی ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اس انقطاعِ صہریت پر رنجیدہ اور غمگین تھے، جن کی تسکینِ خاطر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

زوجوا عثمان. لو کان لی ثالثة لزوجته. وما زوجته الا بالوحی من اللہ. (۵۴)

ترجمہ: لوگو! عثمان سے اپنی بیٹیوں کا عقد کرو۔ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اُس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ اور میں نے عثمان سے بیٹیوں کے نکاح اللہ تعالیٰ کی وحی کی رہنمائی میں کیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! اگر تمہاری کوئی بہن یا بیٹی بغیر شوہر کے ہو تو تم بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا نکاح کر دو۔

لو کانت عندنا ثالثة لزوجناه. (۵۵)

ترجمہ: اگر میری تیسری بیٹی بھی (بغیر نکاح) ہوتی، میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولو کن عشرًا لزوجتهن عثمان. وما زوجتهن الا بوحی من السماء. (۵۶)

ترجمہ: اور اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری کا عثمان سے نکاح کر دیتا۔ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

وعن عثمان قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین زوجنی ابنته الاخری. لو ان عندی عشرًا لزوجتكهن واحدة بعد واحدة. فانی عنک راضٍ. (۵۷)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جس وقت آپ نے اپنی دوسری بیٹی کا مجھ سے عقد کیا، اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری، سب کا نکاح آپ سے کر دیتا، کیونکہ میں آپ سے راضی ہوں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو كان لي اربعون بنتاً زوجت عثمان واحدة بعد واحدة. حتى لا تبقى منهن واحدة. (۵۸)

ترجمہ: اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے سب کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا، یہاں تک کہ کوئی بیٹی باقی نہ رہتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذي نفسي بيده، لو ان عندي مائة بنت تموت واحدةً بعد واحدةٍ زوجتك اخرى، حتى لا يبقى من المائة شئي. (۵۹)

ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میری ایک سو بیٹیاں ہوتیں تو ایک کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری کا نکاح آپ سے کر دیتا، یہاں تک کہ سو میں سے ایک بیٹی بھی باقی نہ رہتی۔

تجہیز و تکفین

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت کو غسل دینے لگیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا، تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا ضرورت سمجھو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو، اور بیری کے پتوں ملے پانی سے غسل دینا اور آخر میں کافور، یا یہ فرمایا، کچھ حصہ کافور کا استعمال کر لینا۔ (۶۰)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا، تین یا پانچ مرتبہ غسل دے دو، اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہو۔ غسل پانی اور بیری کے پتوں سے ہونا چاہیے۔ اور آخر میں کافور، یا یہ کہا، کچھ کافور کا استعمال کر لینا چاہیے، اور غسل سے فارغ ہونے پر مجھے اطلاع کرنا۔

چنانچہ جب ہم غسل دے چکے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنا ازار دیا

اور فرمایا کہ اس کی قمیص بنا دو۔ آپ ﷺ کی مراد اپنے ازار سے تھی۔ (۶۱)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں طاق مرتبہ غسل دینا اور میت کے دائیں طرف سے اور وضو کے اعضاء سے غسل کی ابتدا کرنا مذکور ہے۔ ام عطیہ کہتی ہیں، ہم نے غسل دینے کے بعد کنگھی کر کے ان کے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ (۶۲)

ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ جس صاحبزادی کے غسل کا ذکر ان احادیث میں ہے، وہ سیدہ ام کلثوم تھیں۔ لیکن بخاری کی روایات میں یہ تصریح نہیں۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

وقد روى الطبري و طحاوي و الواقدي و ابن سعد و الدولابي من حديث قليح عن هلال بن علي التصريح بانها ام كلثوم. (۶۳)

ترجمہ: طبری، طحاوی، واقدی، ابن سعد اور دولابی، سب نے فلیح عن ہلال بن علی سے تصریح کر دی ہے کہ وہ صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) نے بڑی محققانہ بحث فرمائی ہے۔

"قَوْلُهُ اِبْنَتِهِ" بخاری شریف کی روایت میں صاحبزادی کا نام ذکر نہیں ہوا۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ صاحبزادی زینب زوجہ ابو العاص بن ربیع تھیں، جو حضرت امامہ کی والدہ تھیں۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ اور طبری کی بیان کردہ روایات کے مطابق ان کی وفات ۸ھ کے ابتداء میں ہوئی تھی، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت ہے:

عن عاصم عن حفصة عن ام عطية قالت: لما ماتت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اغسلنها. الخ.

"حافظ" کہتے ہیں، میں نے حفصہ اور محمد کی روایات میں سوا عاصم کی روایت کے صاحبزادی کا نام نہیں دیکھا۔

لیکن ابن التین نے داؤدی سے بڑے وثوق سے فرمایا ہے:

بان البنت المذكوة ام كلثوم زوج عثمان.

لیکن اس کی سند بیان نہیں کی۔

اور منذری نے قاضی عیاض کی پیروی میں تعجب انگیز بات کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال تو اُس وقت ہوا تھا جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جنگِ بدر میں مصروف تھے۔ یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔

امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

عن ابی بکر بن ابی شیبة عن عبدالوهاب الثقفی عن ایوب،
"دخل علینا و نحن نغسل ابنته ام کلثوم." (۶۴)

اس کی اسناد امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دوسری بیٹیوں کو بھی غسل دیا ہو۔ ان کا غسل دینے کا بیان متعدد مرتبہ واقع ہوا ہو اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی غسل دیا ہو۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا میتوں کے غسل دینے میں ہمیشہ شریک ہوتی تھیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ روایات میں تطبیق اس طرح فرماتے ہیں:

ویمکن الجمع بان تکون حضرتهما جمیعًا.

ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے انتقال کے بعد غسل میں شریک ہوئی ہوں۔

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس وقت غسل دے رہی تھیں، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دروازے کے باہر تشریف فرما تھے۔ ہم نے غسل سے فارغ ہونے پر آپ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے کفن کے کپڑے اس ترتیب سے عطا فرمائے: پہلے چادر، پھر قمیص، پھر اوڑھنی، پھر ایک چادر اور آخر میں ایک بڑی چادر، جس میں جسم کو لپیٹ دیا گیا۔ (۶۵)

نمازِ جنازہ

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا جیسی مکرم و برگزیدہ اور اللہ کی پیاری بندی کا جب غسل و کفن کا مرحلہ مکمل ہوگیا، سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی معیت میں نمازِ جنازہ ادا کی۔

و صلّی علیها رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم. (۶۶)

یہ بھی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت اور منقبت ہے کہ سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اُن کے لیے مغفرت و بخشش کی دعائیں فرمائیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کا جمِ غفیر بھی دعا کرنے میں شامل اور شریک تھا۔

تدفین

نمازِ جنازہ ادا کر لینے کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت تدفین کے لیے جنت البقیع لائی گئی۔ تدفین کے لیے حضرت ابوطلحہ انصاری، سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم قبر میں اُترے اور دفن کرنے میں معاونت کی۔

ونزل فی حفرتها ابوطلحة، وعلی بن ابی طالب، والفضل ابن عباس و اسامة بن زید. (۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا، آپ ﷺ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہیں، ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے ہیں۔ (۶۸)

سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

شہزادی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت کے متعلق امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

ولدتها و قريش تبنى البيت وذلك قبل النبوة بخمس سنين.[۶۹]

جس زمانہ میں قریش بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے، رحمتِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر مبارک پینتیس سال کو پہنچ چکی تھی اور اعلانِ نبوت سے کوئی پانچ برس پہلے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت ہوئی۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال ہوئی۔[۷۰]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

نقل ابوعمر عن عبيدالله بن محمد بن سليمان بن جعفر الهاشمی انها ولدت احدى و اربعين من مولد النبی صلّى الله عليه وسلّم و كان مولدها قبل البعثة بقليل نحو سنة او اكثر وهی اسن من عائشة بنحو خمس سنين.[۷۱]

اسم گرامی

چوتھی شہزادی کا نام نامی اسم گرامی "فاطمہ" ہے۔ شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی قدر محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب، اور والدہ محترمہ سیّدہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

وجہ تسمیہ

لفظ "فاطمہ" مشتق ہے "فَطْمٌ" سے، یعنی منقطع کرنا، دور کرنا۔ جیسے "فَطَمَ الصَّبِیُّ" جب بچے کو دودھ چھڑا دیا جائے۔ "فَصَلَهُ مِنَ الرَّضَاعِ" اسے دودھ چھڑا دیا۔[۷۲]

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں، آپ کا نام "فاطمہ" الہامی نام تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم سے چھڑا لیا۔ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ سے اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا نام اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھڑا لیا اور جہنم سے آڑ بنا دیا۔[۷۳]

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

عن ابن مسعود انما سميت فاطمه بالهام من الله لرسوله ان كانت ولادتها انما سميت فاطمة: لان الله قد فطمها و ذريتها عن النار يوم القيامة. اخرجه الحافظ الدمشقی و دوی الغسانی والخطيب مروعًا. لان الله فطمها ومحبيها عن النار.[۷۴]

ترجمہ: سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں اور اُن کی اولاد کو قیامت کے دن جہنم سے بچا لیا ہے۔ حافظ دمشقی نے اس روایت کو یوں بیان کیا ہے، اور غسانی اور خطیب نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

علامہ زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبل النبوة وان كانت بعدها فيحتمل بالوحی لان الله قد فطمها من الفطم وهو فطم الصبی و ذريتها عن النار يوم القيامة ای منعهم منها.[۷۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیّدہ کا یہ نام بذریعہ الہام رکھا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف القا فرمایا۔

اگر سیّدہ کی ولادت نبوت سے پہلے ہوئی ہو تو اسے الہام کہا جائے گا، اور اگر نبوت کے بعد ہوئی ہو تو بذریعہ وحی آپ ﷺ کو یہ نام رکھنے کو کہا گیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرما لیا اور سیّدہ کی اولاد کو بھی جہنم سے بچا لیا ہے۔ غسانی اور خطیب کہتے ہیں، اس روایت میں مجہول راوی پائے جاتے ہیں۔

شہزادی کے اسماء

شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام نو(۹) عدد مذکور ہیں:

۱۔ فاطمہ ۲۔ مبارکہ ۳۔ زکیہ
۴۔ صدیقہ ۵۔ راضیہ ۶۔ مرضیہ
۷۔ محدثہ ۸۔ زہراء ۹۔ طاہرہ (۷۶)

القاب

شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے القاب بتول اور زہراء ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

وسميت بتولًا لانقطاعها من نساء زمانها فضلًا و دينًا و حسبًا وقيل لا نقطاعها عن الدنيا الى الله تعالى. (۷۷)

ترجمہ: انہیں بتول کا لقب اس لیے دیا گیا کہ اپنے زمانہ کی عورتوں سے حسن شرافت، فضل وکمال، حسب ونسب اور دین ودانش کے اعتبار سے بہت معزز تھیں (یعنی الگ تھیں)، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہؓ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو لوگوں سے الگ کرلیا تھا، اس لیے یہ لقب عطا ہوا۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بَتُوْل''، با کے فتحہ اور تا کے ضمہ کے ساتھ۔

''بَتَلَهُ بَتْلًا كَاَبْتَنَا''، عبادت کے لیے علیحدہ ہونا۔ (۷۸)

''اَلْبَتُوْل''، کنواری زاہدہ عورت۔ (۷۹)

''زہراءؓ''، سیدہ کا لقب زہرا بھی تھا۔ (۸۰)

اس لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن کا ایک پھول تھیں۔ (۸۱)

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

الزُّهْرَةُ، الحسنُ و البياضُ، وقد زَهِرَ زَهَرًا، وَالزَّاهِرُ وَالْاَزْهَرُ، الحسن الابيض من الرّجال وقيل هو الابيض فيه حمرة. (۸۲)

ترجمہ: چمکدار سفیدی، آدمی کا حسین وجمیل ہونا، سرخ وسفید حسن الزہراء، حسین عورت،

پھول، چمک دمک، بہار۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

الزہراء، اس لیے لقب ہوا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا خوب رو اور حسن وجمال میں کمال مرتبہ میں تھیں۔ (۸۳)

سیدہ کی کنیت

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی کنیت ''اُمِّ اَبِیْھَا'' تھی۔ (۸۴)

طبرانی نے ابن المدینی سے روایت نقل کی ہے، ''اُمِّ اَبِیْھَا'' سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی کنیت ''حبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی وجہ سے ہے۔ جب حضور انور ﷺ کے والدین دنیا سے رخصت ہوگئے تو آپ فاطمہ بنت اسد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس رہے، آپ انہیں اماں ہی پکارتے تھے۔ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو آپ غمزدہ ہوگئے۔ آپ کہتے تھے، آج میری ماں کی وفات ہوگئی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''فاطمہ رضی اللہ عنہا'' دیں تو آپ ﷺ جب بھی بیٹی فاطمہ کو دیکھتے تو ''فاطمہ بنت اسد'' یاد آجاتیں تو بیٹی سے تسلی ہوجاتی، اس لیے سیدہ کی یہ کنیت قرار پائی۔

ہجرتِ مدینہ

شعب ابی طالب میں پورے تین برس شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا پورے خاندان کے ساتھ بے انداز مصائب وآلام برداشت کرتی رہیں۔ جب مکہ میں کافروں کا ظلم وتشدد حد سے بڑھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے بنائے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کرلیا۔ پہلے صحابہ کرامؓ کی اکثریت ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئی، بعدازاں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی۔ وہاں پہنچ جانے کے چند دن بعد اپنے اہلِ بیت کو بھی مدینہ منورہ بلوالیا۔

عقدِ مسنونہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقدِ مسنونہ

ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا۔ اس کی تفصیلات علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۱۲۲ھ) کی کتاب سے پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اِنتَظِرْ بِهَا الْاَقضاء۔''

ترجمہ: حکم الٰہی کا انتظار کریں۔

علامہ بلاذری کی بیان کردہ روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار ہے۔''

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ درخواست کی، مگر انہیں بھی وہی جواب ملا۔ ان دونوں حضرات نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار، محبوب اور عم زاد بھی ہیں، ان سے کہا جائے کہ وہ یہ درخواست پیش کریں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہیں ترغیب دی، انہیں اپنی بے سروسامانی کی بناء پر ایسا کرنے میں تامل تھا، لیکن ان حضرات کے اصرار سے وہ آمادہ ہو گئے۔ دلی خواہش تو اُن کی بھی یہی تھی لیکن فطری حیا پیغام بھیجنے میں مانع تھی۔ اب ہمت کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی استدعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور دریافت فرمایا:

هل عندک شیئ؟ فقلت فرسی و بدنی.

ترجمہ: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے:

هل عندک شیئ؟ قال لا. قال فما فعلت الدرع التی سلحتکها.

ترجمہ: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے تمہیں دی تھی؟

مسند احمد کی روایت میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے کا ارادہ کیا:

''فقلت و اللّٰه مالی من شیئ.''

ترجمہ: میں نے کہا، خدا کی قسم! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

بہرحال میں نے استدعا کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا، وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''فاعطها ایاها.''

ترجمہ: بس وہی لے آؤ۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں، ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ پہلی روایت میں نفی سے مراد نقد درہم و دینار ہیں، اور دوسری روایت میں دو چیزوں کی موجودگی کا اقرار ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا تو جہاد کے لیے ضروری ہے، البتہ زرہ فروخت کر دو۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وہ زرہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم میں خرید لی، اور پھر زرہ ہدیۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ رقم اور زرہ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صَرف کرو اور ایک تہائی سامان شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ ابوبکر، عثمان، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اور دیگر مہاجرین و انصار کو بلا لاؤ۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ جب وہ کیفیت دُور ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''قد امرنی ربی بذلک.''

ترجمہ: مجھے اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

''ان اللّٰه امرنی ان ازوج فاطمة من علی.''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد علی رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔

ابن عساکر کی روایت میں ہے، حضرت انس بیان کرتے ہیں، جب وحی کی کیفیت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

''فان رَبِّی اَمَرَنِیْ اَن اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیٍّ۔''

ترجمہ: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ نکاح پڑھا:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الْمَحْمُوْدِ بِنِعْمَتِہٖ۔ الْمَعْبُوْدِ بِقُدْرَتِہٖ۔ الْمُطَاعِ الْمَرْھُوْبِ مِنْ عَذَابِہٖ وَسَطْوَتِہٖ۔ اَلنَّافِذُ اَمْرُہٗ فِیْ سَمَائِہٖ وَاَرْضِہٖ۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِہٖ، وَمَیَّزَھُمْ بِاَحْکَامِہٖ۔ وَاَعَزَّھُمْ بِدِیْنِہٖ وَاَکْرَمَھُمْ بِنَبِیِّہٖ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ اِسْمُہٗ۔ وَتَعَالَتْ عَظَمَتُہٗ جَعَلَ الْمُصَاھَرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا۔ اَمْرًا مُفْتَرَضًا۔ وَشَجَّ بِہِ الْاَرْحَامَ وَاَلْزَمَ بِہِ الْاَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مَنْ قَائِلٍ۔ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَصِھْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا۔

فَاَمْرُ اللّٰہِ یَجْرِیْ اِلٰی قَضَائِہٖ یَجْرِیْ اِلٰی قَدَرِہٖ۔ وَلِکُلِّ قَضَاءٍ قَدَرٌ۔ وَلِکُلِّ قَدَرٍ اَجَلٌ۔ وَلِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ۔

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کی ہر تعریف و تحسین کا سزاوار ہے اور اپنی قدرت کی وجہ سے عبادت کے لائق ہے۔ اس کا اطاعت گزار اُس کے عذاب سے لرزاں و ترساں ہے۔ اس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے بنایا۔ اپنے احکام کے ذریعہ انہیں الگ الگ کیا۔ انہیں اپنے دین کے ذریعہ عزت بخشی اور اپنے نبی کے ذریعے سے عظمت و سربلندی سے بہرہ ور کیا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے شادی بیاہ کو لازم امر قرار دیا، اور اس کے ذریعے رشتے چلائے اور اسے لوگوں کے لیے ضروری قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''وہی ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، اور بعض کو بعض کا بیٹا، بیٹی اور داماد بنایا، اور تیرا رب

ہر چیز پر قادر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہر کام کو قضا و قدر کے تحت کر دیا ہے، اور قضا و قدر کا ایک وقت مقرر ہے، اور ہر چیز اپنے وقت پر ہی پوری ہوتی ہے، اور ہر اجل کے لیے کتاب ہے، اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ان اللہ تعالٰی امرنی ان ازوج فاطمة من علی بن ابی طالب، فاشھدوا انی قد زوجتہ علی اربعمائة مثقال فضة۔''

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے چار سو مثقال چاندی کے مہر پر کر دوں، تم لوگ اس پر گواہ رہنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اَرَضِیْتَ بِذٰلِکَ؟''

ترجمہ: کیا تجھے منظور ہے؟

حضرت علی نے کہا، ''بسر و چشم!''

''قد رضیت بذلک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں الفاظ دعا کی:

''جَمَعَ اللّٰہُ شَمْلَکُمَا۔ وَاَسْعَدَ جَدَّکُمَا۔ وَبَارَکَ عَلَیْکُمَا۔ وَاَخْرَجَ مِنْکُمَا کَثِیْرًا طَیِّبًا۔''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے، تمہاری کوشش میں برکت عطا فرمائے اور تم سے نیک و پاک اولاد پیدا کرے۔

ایجاب و قبول کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر ایک طباق میں کھجوریں لائی گئیں جو حاضرین مجلس میں لٹا دی گئیں۔ (۸۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی واقعۂ نکاح کی تفصیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سیدۂ عالم شہزادی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے رشتہ کا عندیہ دیا گیا تو میری خادمہ نے مجھے کہا، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا، اس رشتے کا عندیہ دیا جا چکا ہے۔ آپ کو کیا چیز مانع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں جاتے، تا کہ وہ آپ کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کر دیں۔

میں نے اپنی ناداری کا عذر کیا کہ میرے پاس کیا ہے، جس پر میں نکاح کروں۔ خادمہ کہنے لگی، آپ ﷺ کی خدمت میں جائیں تو سہی، وہ آپ کا نکاح کر دیں گے۔ وہ مجھے بار بار اُمید دلاتی رہی، حتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میری آواز بند ہو گئی اور خدا کی قسم! مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں آپ ﷺ کی جلالت اور ہیبت کے آگے کچھ عرض کر سکوں۔

پھر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیوں آئے؟ کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ میں پھر بھی خاموش رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا، شاید فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام دینے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ ہے تمہارے پاس؟ میں نے کہا، جی نہیں، خدا کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا، وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا، وہ تو ہے، لیکن وہ جنگ میں حفاظت کے لیے ہے اور وہ بھی محض چار درہم کی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیے دیتا ہوں۔ تم وہ زرہ مہر کے طور پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دو، یہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر ہو گا۔ (۸۶)

ایک روایت میں ہے کہ انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام بھیجنے کی ترغیب دی، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرفِ مدعا زبان پر لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اهلاً و مرحبا"، اور پھر خاموش ہو گئے۔ باہر صحابہ کی جماعت منتظر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنایا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارک باد پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا پیغام منظور فرما لیا۔ (۸۷)

نکاحِ سیدہ کے گواہ

خاتونِ جنت، سیدۂ عالم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نکاح کی تفصیلات مذہب حق اہل سنت والجماعت کی کتب سے پیش کرنے کے بعد شیعہ کی تائید بھی پیش کی جاتی ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔ وہ سب اس پاکباز اور فرشتہ صفت معاشرے کے افراد تھے جن کا آپس میں پیار اور بھائی چارہ قائم تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اجمعین نے باہم مشورہ سے طے کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا جائے کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا اعزاز حاصل کر لیں۔ اگر انہیں کچھ مالی تعاون درکار ہو تو اُس کی پیشکش بھی کر دی جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ تینوں حضرات مشورے کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ مسجد میں انہیں نہ پایا تو گھر سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے اونٹ کے ذریعے پانی نکال کر ایک انصاری کا باغ سیراب کرنے گئے ہیں۔ یہ حضرات باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو آتے دیکھا تو پوچھا، کیسے تشریف آوری ہوئی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

خیر و خوبی کی کوئی ایسی خصلت نہیں جس میں آپ کو سبقت اور فضیلت نہ ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ میں، صحبت میں اور قبولِ اسلام میں جو آپ کا مقام ہے وہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔ سردارانِ قریش نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا رشتہ طلب کیا ہے، لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ اس سعادت کے حصول کے لیے کیوں عرض نہیں کرتے؟ مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول اس رشتہ کو آپ کے لیے روکے ہوئے ہیں۔

یہ سن کر شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے۔ فرمایا، اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے میرے پُرسکون جذبات میں ہیجان پیدا کر دیا اور ایک خوابیدہ تمنا کو بیدار کر دیا۔ میں تہ دل سے اس سعادت کے حصول کا متمنی ہوں، لیکن مفلسی اور تنگ دستی کے باعث اس خواہش کے اظہار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوالحسن! ایسی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے نزدیک دنیا و مافیہا کی قدر و منزلت تو ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔

چنانچہ ان حضرات کے مشورہ اور حوصلہ افزائی سے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کی عرضداشت شرف قبولیت سے مشرف ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں جلدی سے باہر آیا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے پوچھا، کیا خبر ہے؟ میں نے انہیں خوشخبری سنائی تو اُن کو بے اندازہ فرحت اور مسرت حاصل ہوئی، اور ہم اکٹھے مسجد میں آگئے۔ (۸۸)

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم سے دو مٹھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیں، بازار سے کپڑا وغیرہ، جو اثاثہ البیت درکار ہے، لے آؤ۔ پھر عمار بن یاسر صحابہ کی ایک جماعت لے کر ابوبکرؓ کے بعد بازار گئے۔ ان میں سے جو شخص جو چیز خریدتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے لیتا تھا۔ (۸۹)

نکاح کی تاریخ

تاریخ نکاح کے متعلق مورخین نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ بدر سے واپس مدینہ منورہ آنے کے پانچ ماہ بعد رجب میں شہزادی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ اُس وقت سیّدہ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ (۹۰)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوۂ احد کے بعد ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کرنے کے چار ماہ پندرہ دن بعد ہوا اور اُن کی رخصتی سیّدہ عائشہؓ کی رخصتی کے نو ماہ پندرہ دن بعد ہوئی۔

نکاح کے وقت سیّدہ کی عمر پندرہ سال، پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ۲۱ سال، ۵ ماہ کے تھے۔ (۹۱)

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے چار ماہ پندرہ دن بعد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور نکاح کے سات ماہ، پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی، اور نکاح کے وقت سیّدہ کی عمر مبارک پندرہ سال اور پانچ ماہ تھی۔ (۹۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اوائل محرم ۲ھ میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے چار ماہ کے بعد ہوا۔ (۹۳)

نکاح کے وقت سیّدہ کی عمر پندرہ سال، پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ) رقم طراز ہیں:

شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۲ھ میں ہوا۔ اوائل محرم، یا صفر، یا رجب، یا رمضان کا مہینہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غزوۂ احد کے بعد ۳ھ میں ہوا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد شوال ۲ھ میں ہوا، یا ہجرت کے سات ماہ بعد ہوا۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے سات ماہ، پندرہ دن بعد ہوئی، اور یہ شوال ۳ھ تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ماہ صفر ۲ھ میں نکاح ہوا اور رخصتی ہجرت کے ۲۲ ماہ بعد ذی الحجہ میں ہوئی۔

آخر میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

ھی اقوال متباینۃ لا یتاتی الجمع بینھا. (۹۴)

سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک نکاح کے وقت پندرہ سال، پانچ ماہ یا پندرہ سال، چھ ماہ، پندرہ دن تھی، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۱ سال، پانچ ماہ تھی۔

لیکن ابن اسحاق کے قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر نکاح کے وقت ۲۴ سال، ایک ماہ، پندرہ دن تھی، اور یہی قول راجح ہے۔ (۹۵)

مہر فاطمہ رضی اللہ عنہا

شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا حق مہر بھی باقی تینوں شہزادیوں: سیدہ رقیہ، سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے برابر ہی تھا۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماعلمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئا من نسائہ ولانکح شیئا من بناتہ علی اکثر من ثنتی عشرۃ اوقیۃ۔ (۹۶)

ترجمہ: میری معلومات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اپنی بیویوں اور نہ ہی اپنی بیٹیوں میں سے کسی ایک کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا۔

ایک روایت میں ہے:

فزوجھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع ماۃ و ثمانین درھما۔ (۹۷)

ترجمہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۴۸۰ درہم مہر میں فرمایا۔

خاتونِ جنت کا جہیز

شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی، خاتونِ جنت، سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جو سامان دیا گیا وہ مختصر اور حسبِ ضرورت تھا۔ وہ آج کل کے رواج پرست مسلمانوں کے لیے ایک درسِ عبرت اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اس میں نہ تو آرام دہ ماڈرن قسم کا بیڈ تھا، نہ بھانت بھانت کے برتنوں کی چھنکار۔

پہلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے اور اُن کا کوئی علیحدہ گھر نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے ان کا گھر بسانے کے لیے کچھ ضروری سامان اس موقع پر عنایت فرمایا تھا۔ جس میں ایک چادر، ایک مشکیزہ، چمڑے کا ایک گدا، جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی۔ یہ سامان مروّجہ جہیز کی قسم سے نہ تھا، اس لیے جہیز کا ثبوت نہ ازواج مطہرات کے کسی نکاح میں ہے، نہ دیگر بنات طاہرات کے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ نے کچھ دیا ہے، اور نہ ہی اہل عرب میں اس کا رواج تھا۔ (۹۸)

عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما

زوجہ فاطمۃ بعث معھا بخمیلۃ ووسادۃ من ادم حشوھا لیف ورحیین وسقاء وجرتین۔ (۹۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۂ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہیں جہیز میں ایک بڑی چادر، ایک چمڑے کا تکیہ، جو کھجور کی چھال یا اذخر (خوشبودار گھاس) سے بھرا ہوا تھا، ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور دو گھڑے دیے تھے۔

ایک روایت میں ہے:

جھز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فی خمیل وقربۃ ووسادۃ حشوھا اذخر۔ (۱۰۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۂ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ، جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی، جہیز میں عنایت فرمائے۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے:

سریر مشروط، ووسادۃ من ادم حشوھا لیف، وتور من ادم، وقربۃ۔ (۱۰۱)

وبردین ورحائین وسقاء و جرتین۔ (۱۰۲)

ترجمہ: ایک پلنگ، ایک گدا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چمڑے کا بڑا پیالہ اور مشکیزہ، دو چادریں، دو چکیاں اور دو گھڑے۔

حضرت عطاء کی روایت ہے:

بعث معھا بخمیلۃ ووسادۃ آدم حشوھا لیف، ورحائین، وسقائین۔ (۱۰۳)

ترجمہ: ایک چادر، ایک گدا، جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، دو چکیاں اور دو گھڑے۔

دعوتِ ولیمہ

خاتونِ جنت، سیدۂ عالم، شہزادی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیرِ خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا۔

كانت وليمته آصعامن شعير وتمر و خيس والحيس، التمر والاقط.(۱۰۴)

و كبش من عند سعد، واصع ذرة من عند جماعة من الانصار.(۱۰۵)

ترجمہ: جَو کا آٹا، کھجور، پنیر، گھی وغیرہ سب کو ملا کر ملیدہ یعنی حلوہ بنالیا گیا۔

حضرت سعد نے ایک دنبہ ذبح کرلیا اور انصار نے بھی جو کچھ دستیاب تھا، لاکر پیش کردیا۔

حضرت فاطمہ بن عمیس کہتی ہیں:

ولقد اولم عليّ على فاطمه، فما كانت وليمة فى ذلك الزمان افضل من وليمته.(۱۰۶)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا کی دعوتِ ولیمہ جیسی بہترین اور عمدہ دعوتِ ولیمہ ہم نے اپنے زمانے میں کسی اور کی نہیں دیکھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں پسند کرتا ہوں کہ میری امت کے لیے نکاح کے وقت کھانا سنت ہو۔ اے بلال! تم ایک بکری اور چار مُد غلہ لے کر کھانا تیار کرو۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو ایک بڑے پیالے میں ڈال کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ ﷺ نے اس پیالے پر دستِ مبارک رکھا اور بلال سے کہا، مہاجرین اور انصار کو کھانے کے لیے بلاؤ۔ فرمایا، جب ایک جماعت کھانا کھالے تو دوسری جماعت گھر میں داخل ہو۔ چنانچہ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا گیا، یہاں تک کہ سب لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے۔

جو کھانا بچ گیا تھا، اُس میں آپ ﷺ نے لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، یہ کھانا اپنی ماؤں (امہات المومنین رضی اللہ عنہن) کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہو، وہ خود بھی کھائیں اور جو عورتیں اُن کے پاس آئی ہوئی ہیں، انہیں بھی کھلائیں۔(۱۰۷)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا، میں نے اپنی صاحبزادی اپنے چچا کے بیٹے کے نکاح میں دے دی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ اس کا جو رتبہ میرے نزدیک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں اپنی لختِ جگر کی رخصتی

کرنے لگا ہوں، تم اسے تیار کردو۔ چنانچہ عورتوں نے سیدۂ عالم، خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خوشبو میں بسایا۔ اپنی خوشبو میں سے، یعنی جس طرح کی عمدہ خوشبو عورتوں کے پاس تھی، وہ خوب لگائی، اور سیدہؓ کو اپنے پاس سے کپڑے زیبِ تن کیے اور اپنے زیورات میں سے سیدہ کو زیور بھی پہنایا۔ جب دلہن کو تیار کردیا تو سب عورتیں چلی گئیں، لیکن اسماء بنت عمیس رُک گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رکنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا، میں آپ کی صاحبزادی کی خبر گیری کروں گی، جب جوان لڑکی شوہر کے پاس بھیجنے کی رات ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ کوئی عورت اس کے قریب ہو۔ اگر اسے کوئی حاجت درپیش ہو یا کسی کام کا ارادہ کرے تو اُس کا تعاون کرسکے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا دی۔

اے اللہ! تو اس کی حفاظت فرما، اس کے آگے سے، پیچھے سے، اس کے دائیں سے اور بائیں سے شیطان مردود کے شر سے۔(۱۰۸)

عرب میں یہ عام دستور تھا کہ دلہن کو مستعار زیور اور پوشاک سے تیار کرلیا جاتا تھا، بلکہ بسا اوقات سفر پر جاتے ہوئے بھی خواتین کسی سے زیور مانگ کر زیبِ گلو کرلیتی تھیں۔ اور عام استعمال میں آنے والا سادہ لباس، جسے آج کے معاشرہ میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی، وہی دلہن کی زیبائش کا موجب ہوتا تھا۔

ابن ایمن کہتے ہیں، میں سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ قطری قمیص (یمن کا ایک دبیز کھردرا کپڑا) پہنے ہوئے تھیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا، میری اس باندی کو دیکھنا، اسے گھر میں رہتے ہوئے بھی یہ کپڑا پہننے سے انکار ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میرے پاس اسی کپڑے کی ایک قمیص تھی۔ جب کوئی لڑکی دلہن بنائی جاتی تو میرے یہاں آدمی بھیج کر وہ قمیص منگا لیتی تھیں۔(۱۰۹)

نیا گھر

خاتونِ جنت سیدۂ عالم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سسرال منتقل ہوجانے کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا، تمہارا گھر قدرے دور ہے، مجھے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر کے قریب منتقل کرنا چاہتا ہوں۔

سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، آپ ﷺ کے قرب و جوار میں حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے کئی مکانات ہیں، آپ ﷺ ان سے فرمائیے، وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کر دیں گے۔

حضرت حارثہ بن نعمان ایک متمول انصاری تھے اور کئی مکانات کے مالک تھے۔ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، وہ اپنے کئی مکانات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر چکے تھے۔ جب سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا نے حارثہ رضی اللہ عنہ کے مکان کے لیے آپ ﷺ سے التماس کی تو حضور ﷺ نے فرمایا، جانِ پدر! حارثہؓ سے اب کوئی مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، وہ پہلے ہی کئی مکان دے چکے ہیں۔

سیدہ کا زُہد و تقویٰ

خاتونِ جنت، سیدۂ عالم سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا مخلص عبادت گزار، زہد و تقویٰ کی پیکر، دنیا اور اُس کی آسائشوں اور آرائشوں سے بے پرواہ اور بے نیاز تھیں۔ سیدہ کی زندگی میں ایسے روشن واقعات و کردار کتنے ہی ہیں جو برکت اور نور کا فیضان ہیں، اور اُن کے زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کے حامل اور رضائے الٰہی کے حصول کا موجب ہیں۔

علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت سیدہ کے گلے میں ایک سونے کا ہار تھا۔ شفیق و رحیم والد ماجد نے فرمایا، فاطمہ! کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے؟ یہ فرما کر آپ ﷺ تو چلے گئے، لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہار بیچ کر اُس کے بدلے ایک غلام خرید لیا اور اُسے آزاد کر دیا۔ جب یہ خوش کن خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو فرمایا:

"اللہ کا شکر ہے! جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔" (۱۱۰)

زہد و ورع اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہ بے مثال کردار ہے۔ سید الزہاد اور سید الورعین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تربیت کا اثر صاحبزادی میں نمایاں تھا۔

خاتونِ جنت زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور روحانی فضل و کمال کے اُس مرتبہ پر فائز ہوئیں، جہاں ان کے دَور کی کوئی عورت نہ پہنچ سکی۔ اور انہوں نے سچائی کے پاکیزہ، مبارک اور

مقدس مقام کو حاصل کر لیا جو اپنے عظیم والد کی میراث سے ملا تھا۔

ام المومنین عائشہؓ کی گواہی

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بھی سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا کے صدق و راستی کی گواہی دیتی ہیں:

ما رأيت احدا كان اصدق لهجة من فاطمة، الا ان يكون الذى ولدها صلّى الله عليه وسلّم. (۱۱۱)

ترجمہ: میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو اور راست باز نہیں دیکھا، البتہ اُن کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عن عائشة رضى الله عنها، ما رأيت احدا قط اصدق من فاطمة غير ابيها. (۱۱۲)

ترجمہ: میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کبھی کوئی صاف گو نہیں دیکھا، سوا اُن کے والد گرامی قدر کے۔

داغِ بے پدری

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، اور اب تو صرف وہی باقی رہ گئی تھیں۔ غزوہ حنین کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت نازل ہوئی:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ.

تو یہ سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر رقت طاری ہو گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو لختِ جگر کا رونا گوارا نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انت اوّل اهل بيتى لحوقا بى. (۱۱۳)

اس پر سیدہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی تو سیدہ رضی اللہ عنہا یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگیں:

وَاكَرْبَ اَبَاه.

ترجمہ: ہائے میرے باپ کی بے چینی!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: ''آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''(۱۱۴)

جب آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو سیدہؓ پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ وہ بہت غمگین تھیں۔ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ غمِ والد میں کہہ رہی تھیں، میرے ابا جان! جبرئیل نے آپ کو اجل کا پیغام دیا، آپ کو رب نے بلا لیا، وہ چلے گئے۔ ہائے میرے والد کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔(۱۱۵)

سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا پر والد گرامی قدر کے فراق کا ایسا گہرا اثر ہوا، جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے صحابہ کرامؓ فارغ ہو گئے تو سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا:

''تمہارے دلوں نے کیسے برداشت کر لیا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہے ہو۔''(۱۱۶)

مرض الوفات

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خاتونِ جنت، سیدۂ عالم، جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نہایت مغموم رہتی تھیں، اور اس پیشین گوئی کا بیقراری سے انتظار ہونے لگا جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رازدارانہ طور پر فرمائی تھی: ''میرے وصال کے بعد اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی۔''

یہ ایام صبر و سکون کے ساتھ پورے کیے۔

سیدہ کی اولاد بیٹے اور بیٹیاں کم عمر تھیں۔ آپ کی تیمارداری کی خدمت انجام دینے سے قاصر تھے۔ قدرت نے یہ خدمت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کو عطا فرمائی تھی۔ یہ خوش بخت خاتون سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں، ان سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد سیدہ اسماء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آ گئیں۔

جب خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو اُن کی تیمارداری میں سیدہ اسماء بنت عمیس زوجہ مکرمہ خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھرپور حصہ لیا۔ اور اس حقیقت کا شیعہ علماء کو بھی

اعتراف ہے کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ مکرمہ سیدہ اسماء بنت عمیس خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے آخری ایام میں تیمارداری کی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں۔ چونکہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انتہا کی حیا و شرم تھی، اس لیے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے، جس کو میں ناپسند کرتی ہوں۔ میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردے کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ سوائے اپنے اور میرے شوہر کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا، اور رات میں جنازہ لے کر جانا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا، یا بنت رسول اللہ! میں نے ملک حبش میں دیکھا ہے کہ جنازہ پر درخت کی شاخیں باندھ کر اوپر کپڑا ڈال دیتے ہیں، جس سے ڈولی کی صورت بنا لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، انہیں جوڑ کر اُن پر کپڑا تان کر سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کو دکھایا۔ سیدہؓ بیحد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے۔

مَا اَحْسَنَ هٰذَا وَاَجْمَلَهُ.

سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُم المومنین سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا گیا۔(۱۱۷)

نمازِ جنازہ

خاتونِ جنت، جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد نمازِ جنازہ پڑھانے کا مرحلہ پیش آیا۔ نمازِ جنازہ کی امامت کے فرائض کس شخصیت نے انجام دیے؟ حدیث، تاریخ، اہلِ سنت والجماعت اور کتب شیعہ میں تین نام ملتے ہیں: سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا عباس بن عبد المطلب اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین۔(۱۱۸)

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت فاطمہ دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آپ جنازہ پڑھائیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آپ خلیفۃ الرسول ہیں، آپ سے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ پس امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقدم ہو کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

عن جعفر ابن محمد عن ابيه قال ماتت فاطمة بنت النبي صلّى الله عليه وسلّم فجاء ابوبكر و عمر يصلوا. فقال ابوبكر لعلي ابن ابي طالب تقدم. فقال ما كنت لاتقدم وانت خليفة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم. فتقدم ابوبكر و صلى عليها. (۱۱۹)

علامہ محبّ الطبری روایت نقل کرتے ہیں:

عن مالک عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جده علي بن حسين قال ماتت فاطمة بين المغرب والعشاء، فحضرها ابوبكر وعمر و عثمان والزبير وعبدالرحمن بن عوف فلما وضعت ليصلى عليها، قال علي تقدم ياابوبكر. قال وانت شاهد يا ابا الحسن. قال نعم، تقدم، فوالله! لايصلي عليها غيرک. فيصلي عليها ابوبكر رضي الله عنهم اجمعين. ودفنت ليلاً. خرج البصرى، وخرجه ابن السمان في لموافقة. (۱۲۰)

ترجمہ: حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد حضرت زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ چنانچہ ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ کے لیے تشریف لائے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا، تشریف لائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، اے ابوالحسن! آپ کی موجودگی میں مَیں کیسے جنازہ پڑھاؤں؟ انہوں نے کہا، آپ تشریف لائیں، خدا کی قسم! آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص سیّدہ کا جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ پس ابوبکرؓ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہ رات کو ہی دفن کر دی گئیں۔

تدفین

اس بات پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ خاتونِ جنت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ جنازہ بڑی خاموشی سے اٹھایا گیا۔ بنو ہاشم کے علاوہ بہت تھوڑی تعداد میں صحابہ شریک ہو سکے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ، سیّدنا عباس اور سیّدنا فضل بن عباس رضی

اللہ عنہم نے اس مقدس امانت کو قبر کے سپرد کیا۔

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی آخری آرام گاہ کہاں بنی؟ اس میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں:

۱۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مدفن دارِ عقیل کے ایک گوشے میں ہے۔
۲۔ آپ کی تربت جنت البقیع میں ہے۔
۳۔ سیّدۃ النساء رضی اللہ عنہا اپنے گھر ہی میں مدفون ہیں، جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مقدسہ کے متصل ہے۔

پہلے قول کے مطابق امام ابن سعد روایت نقل کرتے ہیں:

محمد بن عمر کہتے ہیں، میں نے عبدالرحمٰن بن ابی سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک جنت البقیع میں واقع مسجد، جس کے پاس نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، اُس کے قریب واقع ہے۔ انہوں نے کہا، واللہ! وہ مسجد ایک خاتون رقیہ نامی نے تعمیر کرائی تھی اور سیّدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا دارِ عقیل کے ایک کونے میں مدفون ہیں۔ ان کی قبر اور راستہ کے درمیان سات ذراع کا فاصلہ ہے۔ (۱۲۱)

ابن زبالہ نے لکھا ہے کہ مورخ مسعودی نے ۳۳۲ھ میں جنت البقیع میں ایک قبر پر کتبہ دیکھا، جس پر تحریر تھا:

هذا القبر فاطمة الزهراء. (۱۲۲)

علامہ ابن کثیر اور علامہ عسقلانی نے بھی جنت البقیع کی روایت بیان کی ہے۔ (۱۲۳)

علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے بڑی تفصیل سے اس پر کلام کیا ہے۔ ابن شیبہ سے متعدد روایات نقل کی ہیں کہ سیّدہ خاتونِ جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت البقیع میں ہے۔ پھر ابن شیبہ ہی سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ ان کی قبر اُن کے گھر ہی میں بنائی گئی تھی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اُٹھا کر اُسی جگہ قبر مبارک بنائی گئی تھی۔ سیّدہ کی قبر بھی اُن کے بستر والی جگہ ہی بنائی گئی تھی۔ بعد میں یہ جگہ عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں شامل کر لی تھی۔ (۱۲۴)

خاتونِ جنت کو سیّدنا عباس، سیّدنا علی اور سیّدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے قبر

میں اتارا۔ (۱۲۵)

اولاد امجاد

خاتونِ جنت، سیدۃ النساء، جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی حیات تک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ محض سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے احترام و اکرام کی بنا پر تھا۔ اور یہ احترام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دونوں داماد سیدنا ابو العاص اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے بھی ملحوظ رکھا تھا۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پانچ اولادیں ہوئی ہیں: سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا محسن، سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۱۲۶)

نبی ﷺ کے شہزادے

اللہ جل جلالہٗ نے اپنے حبیب لبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تین شہزادے اور چار شہزادیاں مرحمت فرمائی تھیں۔ ایک بیٹے، حضرت ابراہیم کے علاوہ ساری اولاد ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیدا ہوئی، جبکہ حضرت ابراہیم کی والدہ مکرمہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ بعثت نبویؐ سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئے، اور یہی سب سے بڑے تھے۔ ان ہی کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت "ابوالقاسم" تھی۔ یہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے اور شیر خوارگی کے زمانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ (۱۲۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

پھر اللہ جل مجدہٗ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر احسان فرمایا اور انہیں دوسرا بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام "عبداللہ" اور لقب طاہر اور طیب تھے۔ ان کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں ہوئی۔ پھر اللہ جل شانہٗ کی مشیت کا ظہور ہوا، عبداللہ کا انتقال طفولیت کے زمانہ میں ہو گیا۔ پہلے حضرت قاسم فوت ہوئے اور بعد میں حضرت عبداللہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس پر عاص بن وائل السہمی نے آپ ﷺ کی شان میں کہا تھا: "بے اولاد اور بے نام و نشان رہنے والا شخص ہے۔"

اس موقعہ پر اللہ جل شانہ نے سورۃ الکوثر نازل فرما کر اس کا دندان شکن جواب دیا:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ. (سورۃ الکوثر)

ترجمہ: ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا، لہٰذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آپ کا دشمن بے نام و نشاں رہے گا نہ کہ آپ۔ اس لیے کہ قیامت تک پیدا ہونے والا ہر مومن آپ کی اولاد میں سے ہے۔ اور آپ کا ذکر خیر منبروں پر اور ہر عالم اور ہر ذکر کرنے والے کی زبان پر ہمیشہ جاری رہے گا۔

اللہ کے ذکر سے ابتدا کی جائے گی اور پھر آپ کا ذکر کیا جائے گا۔ لہٰذا آپ جیسے شخص کو بے نام و نشان رہنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ بے نام و نشان رہنے والا درحقیقت آپ کا دشمن ہے، جسے دنیا و آخرت میں کوئی یاد کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور جب بھی اس کا تذکرہ ہوگا تو لعنت کے ساتھ ہوگا۔ (۱۲۸)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عبداللہ کی مدت رضاعت پوری کرنے کے لیے جنت میں مرضعہ یعنی انّا کا انتظام ہو چکا ہے۔ (۱۲۹)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے فرزند ارجمند کا نام "ابراہیم" تھا۔ یہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی والدہ سیدہ ماریہ مصریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ ﷺ نے ساتویں دن بیٹے کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی۔ اس کے سر کے بال منڈوا کر اُن کے وزن کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بال دفن کرنے کا ارشاد فرمایا۔

انصار مدینہ بچہ کو دودھ پلوانے کے انتظام میں رغبت کر رہے تھے اور ہر شخص چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو لے جائے اور اُن کی رضاعت کا بندوبست کرے۔ اس اثناء میں بونجار سے تعلق رکھنے والے صحابی براء بن اوس کی اہلیہ اُم بردہ خولہ بنت منذر حاضر خدمت ہوئیں

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بیٹے کو دودھ پلانے کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ پھر وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے لگیں۔ اُم بردہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کے حصے کا دودھ پلایا کرتی تھیں، اور دودھ پلا کر بچے کو اس کی ماں کے حوالے کر دیتی تھیں۔ (۱۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انّا (مرضعہ) کو کھجور کا ایک درخت عطا کیا تھا اور انہیں سات بکریاں بھی عطا کی تھیں، تا کہ وہ جب بچے کی خوراک کو پورا نہ کر سکیں تو اُن کے ذریعے کمی کو پورا کر لیں۔ اُم بردہ رضی اللہ عنہا بچے کو مستقل طور پر دودھ پلانے کا انتظام نہ کر سکیں، لہٰذا اُن کے بعد اُم سیف رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری سنبھال لی۔ (۱۳۱)

حضور ﷺ کی بیٹے سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ام سیف رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت شیبان فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، میں حضور ﷺ کے پیچھے چلنے لگا، یہاں تک کہ حضور ﷺ ابوسیف کے گھر کے پاس پہنچ کر رُک گئے۔ ابوسیف اپنی دھونکنی میں پھونک رہے تھے، جس کی وجہ سے پورے گھر میں دھواں ہو رہا تھا۔ میں تیزی سے چل کر حضور ﷺ سے آگے نکل گیا اور ابوسیف کے پاس پہنچ کر اُن سے کہا، اے ابوسیف! ٹھہر جائیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ ابوسیف ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کو آواز دی اور اُسے سینے سے لگا لیا اور وہ بات فرمائی جو اللہ نے چاہی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہوتے تو اپنے بیٹے سے ملاقات کرتے، اُس کو گود میں اٹھاتے، اسے پیار کرتے اور اُس میں اُنسیت، مسرّت اور دل لگی محسوس کرتے۔ کبھی حضور ﷺ اپنے بیٹے کو اُٹھاتے اور انہیں اپنی ازواج کے پاس لے جاتے، بچہ ان کے حوالے بھی کر دیتے۔ (۱۳۲)

ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال پُر ملال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند دلبند کی پرورش اور نشو و نما کا مشاہدہ فرما رہے

تھے۔ اس سے دل لگی اور گفتگو فرماتے۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہا۔ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ڈیڑھ سال کے ہوئے اور حضور ﷺ کا اُن کے ساتھ قلبی تعلق میں اضافہ ہو گیا تو مرض نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو آ گھیرا۔ ان کی والدہ بے چین اور پریشان ہو گئیں۔ انہیں کچھ نہ سوجھ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اپنی بہن سیرین کو مدد کے لیے بلایا۔ وہ دونوں بچے کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرنے لگیں۔ اس کے لیے دوائی تلاش کی، بچے کو ''نخیل العالیہ'' لے گئے، لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا۔ دوا اور علاج معالجہ کسی کام نہ آیا۔ اچانک انہیں بچے کا سانس اُکھڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے بچے کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی حالت کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ عبدالرحمٰن بن عوف کے کندھے پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے چہرے سے شدید غم کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ پھر بچے کی روح قفسِ عنصری سے جدا ہو گئی۔ (۱۳۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ''اے ابراہیم! ہم امرِ الٰہی کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے۔'' حضور ﷺ نے بچے کی ماں اور خادمہ کو چیختے ہوئے سنا تو انہیں منع کیا اور اتنی بات فرمائی، ''اے ابراہیم! اگر موت امرِ حق اور سچا وعدہ نہ ہوتی اور یہ کہ ہمارے اگلوں کو پچھلوں کے ساتھ ملنا ہے تو ہم تجھ پر اس سے بھی زیادہ غم کرتے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا، ''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمگین ہے، لیکن ہم زبان سے وہی بات نکالیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر بڑے دکھی ہیں۔''

جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھا تو مسلمان بھی حضور ﷺ کے غم میں غمگین ہو کر رونے لگے۔ اور بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تکلیف و پریشانی کو کم کرنے کی کوشش بھی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ احکام یاد دلائے جو آپ ﷺ نے فرمائے تھے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''میں نے تمہیں غمگین ہونے سے تو منع نہیں کیا، بلکہ میں نے تو بلند آواز کے ساتھ رونے سے منع کیا ہے۔ اور جو حالت تم میری دیکھ رہے ہو، یہ تو دل کی محبت اور رحمت کا اثر ہے۔ اور جو شخص رحمت کو ظاہر نہیں کرتا، کوئی دوسرا بھی اس کے لیے رحمت کو ظاہر

نہیں کرتا۔'' (۱۳۴)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور اُن کی بہن سیرین کو تسلی دینے کے لیے فرمایا، ''جنت میں ابراہیم کے لیے انا یعنی دودھ پلانے والی کا انتظام ہو چکا ہے۔''

ام بردہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دیا اور کھجور کی شاخوں کی چارپائی پر ڈال دیا۔ لوگوں نے انہیں اٹھایا اور ایک جگہ لے گئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور بہت سے مسلمان موجود تھے، یہاں تک کہ وہ سب جنت البقیع پہنچے۔ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، چار تکبیریں کہیں۔ فضل بن عباس اور اسامہ بن زیاد رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ حضور ﷺ قبر کے دہانے پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا، ''ہم نے اسے اپنے ساتھی عثمان بن مظعون کے ساتھ دفن کر دیا۔'' پھر آپ ﷺ نے ایک اینٹ کا خلا دیکھا تو اُسے بند کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا، ''ہم نے اسے اپنے اچھے نیک آدمی کے ساتھ دفن کر دیا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرہانے علامت کے طور پر ایک پتھر رکھا، اور فرمایا، ''یہ پتھر نفع نقصان نہیں دے سکتا، لیکن زندہ لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے، اور آدمی جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ پاک چاہتے ہیں کہ اسے اچھی طرح کرے۔''

پھر حضور ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے قبر کی مٹی کو ہموار کیا اور فرمایا، ''کوئی شخص پانی کا مشکیزہ لا سکتا ہے؟'' ایک انصاری آدمی فوراً پانی کا مشکیزہ لے آیا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر چھڑک دو۔ (۱۳۵)

سورج گرہن

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت سورج گرہن ہو گیا۔ لوگوں نے اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت خیال کیا، اور کہا، ''سورج کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے گرہن لگا ہے۔'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا، ''سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہیں۔ ان میں کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو فوراً نماز کے ذریعے اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ۔'' (۱۳۶)

محمد حسین ہیکل فرماتے ہیں:

یہ ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت و غم کی الم ناک گھڑی کے اندر

بھی اپنے منصب رسالت سے غافل نہیں ہوئے! اس حدیث کو پڑھ کر مستشرقین (غیر مسلم علمائے اسلام) نے بھی حضور ﷺ کی عظمت وجلالت کا اعتراف کیا اور وہ اپنی حیرانگی، حضور ﷺ کی عظمت اور اس بات کی معرفت کے اعلان کو نہیں چھپا سکے کہ وہ شخص یقیناً سچا ہے جو ایسے حالات میں بھی سچائی اور حق سے دستبردار ہونے پر راضی نہیں۔

محمود فلکی نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ۲۹ رشوال ۱۰ ہجری بمطابق ۲۷ رجنوری ۶۳۲ عیسوی بروز پیر بتایا ہے۔ اس دن مدینہ میں مکمل طور پر سورج گرہن ہوا تھا۔

شاہِ کونین ﷺ کے نواسے، نواسیاں

اہلِ بیت رسول ﷺ میں جس طرح آپ ﷺ کی بیویاں اور بیٹیاں شامل ہونا دلائلِ قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہو چکا ہے، یہ بھی ستم ظریفی ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کی اولاد کو، یعنی آپ ﷺ کے نواسوں اور نواسیوں کو اہلِ بیت سے خارج کر دیا گیا ہے۔ سوائے خاتونِ جنت سیّدۃ النساء سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد کے، اس میں بھی دجل سے کام لیا گیا ہے۔

اگرچہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور نواسیاں اپنے باپ کی نسبت سے آلِ ابی العاص، آلِ عثمان اور آلِ علی ہیں، لیکن مجازاً اپنی ماؤں کی مناسبت سے وہ بھی مجازاً آلِ بیت ہیں۔

- شہزادی سیّدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت ابوالعاص الاموی
  - علی
  - امامہ
- شہزادی سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت عثمان غنی الاموی
  - عبداللہ
- شہزادی سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت علی المرتضیٰ الہاشمی
  - حسن
  - حسین
  - ام کلثوم
  - زینب

رضی اللہ عنہم اجمعین

نواسۂ رسول علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ

شہزادی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر علی بن ابی العاص بن الربیع بن عبدی بن عبدالشمس، اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی غاضرہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا تھا۔ رضاعت کی مدت پوری ہو جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے زیرِ کفالت لے لیا تھا، کیونکہ ان کے باپ ابوالعاص اُس وقت مکہ میں مقیم تھے اور ہنوز اسلام نہیں لائے تھے۔ (1)

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت و تربیت پروان چڑھتے رہے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے نواسے علی بن ابوالعاص کو اپنے ساتھ سوار کر رکھا تھا۔ (۲)

علی بن ابوالعاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بلوغت کے قریب پہنچ کر وفات پائی۔ البتہ ابن عساکر نے بعض اہل علم کا قول نقل فرمایا ہے، جنگ یرموک کے موقع پر شہید ہوئے ہیں۔ (۳)

نواسیٔ رسول امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا

نام امامہ، والد کا نام ابوالعاص بن ربیع بن عبد العزی، والدہ مکرمہ سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہیں۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں اور محبتوں کا محور و مرکز، آپ ﷺ کی پیاری نواسی دوشِ نبوت کی شہسوار امامہ کی محبت آپ ﷺ کے قلب اطہر میں رچی بسی ہوئی تھی۔ آپ ہی کے ظلِ عاطفت میں پرورش پائی۔ چونکہ امامہ مادری پدری شفقتوں سے محروم تھی، اس لیے آپ ﷺ کی نظرِ شفقت ہمہ وقت ان کی دستگیری کرتی۔ محبت و پیار کا یہ عالم تھا کہ نماز جیسی عظیم الشان عبادت کے دوران بھی آپ ﷺ اُن کو جدا نہیں فرماتے تھے۔ (۴)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ شاہ حبشہ نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیش بہا قیمتی تحائف بھیجے۔ ان میں ایک ہار بیحد نفیس اور گراں قیمت تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں اور امامہ بنت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا معصومانہ انداز میں گھر کے ایک کونے میں کھیل رہی تھیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں یہ ہار اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔''

ازواج مطہرات کا خیال تھا کہ یہ شرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا۔ لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا بڑا اعزاز معصوم کلی امامہ کے مقدر میں ہے۔ آپ ﷺ نے امامہ کو بلا کر اپنے دستِ مبارک سے اس کے گلے کی زینت بنایا۔ لا دفعنها الی احب اهلی الیّ۔ (۵)

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اپنی نواسی کے لیے ''اهلی'' کے مقدس الفاظ صادر ہوئے ہیں، لیکن بعض لوگ انہیں اہل بیت نبوی میں شامل نہیں کرتے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پیاری امامہ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ جب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے آخری ایام میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد میری بہن کی بیٹی امامہ سے نکاح کر لینا، وہ میری اولاد کے حق میں میری قائم مقام ہوگی۔ (۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتونِ جنتؓ کی وصیت کے مطابق امامہ سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ ان ہی کی زوجیت میں رہیں، لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

جب ۴۰ھ میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور پھر شہید ہو گئے تھے تو انہوں نے عبد المطلب کے پڑپوتے مغیرہ بن نوفل کو امامہ سے نکاح کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے امامہ کا نکاح مغیرہ سے ہو گیا، اور مغیرہ ہی کے ہاں امامہ نے وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۷)

نواسۂ رسول عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے، جو اللہ رب العزت نے عطا فرمائی، وہ دو بیٹوں پر مشتمل تھی۔ مؤرخین کی تصریح کے مطابق ایک ناتمام بچہ حبشہ میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد دوسرا بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا، اور اسی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں بچے کے چہرے پر مرغ نے ٹھونگ ماری۔ چہرے پر ورم آ گیا۔ اسی عارضہ میں بچے کا انتقال ہو گیا تھا۔ (۸)

یہ واقعہ متعدد مورخین نے لکھا ہے، معارف ابن قتیبہ، ص ۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۰؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۵۶؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۴ وغیرہ۔

نواسۂ رسول حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

حسن نام، ابو محمد کنیت، سید اور ریحانۃ النبی خطاب، شبیہ رسول لقب۔

ددھیالی شجرۂ طیبہ اس طرح ہے: ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطلبی۔

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہرا، جگر گوشۂ رسول ﷺ تھیں۔ اور آپ کے پدر بزرگوار سیّدنا علی المرتضیٰ ابن عم رسول تھے۔ اس لیے آپ کی ذاتِ گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی۔

سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک میں معدنِ نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغنا و بے نیازی کی اقلیم کا تاجدار، صلح ومسالمت کی پُرسکون مملکت کا شہنشاہ، دوشِ نبوت کا سوار، فتنہ و فساد کا بیخ کن نورافزائے عالمِ وجود میں آیا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "حسن" نام تجویز فرمایا۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو دُنبے ذبح کیے۔ سر کے بال اتروائے اور اُن کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔

عہدِ نبویؐ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسنؓ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی، وہ کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوشِ شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوشِ مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ صاحبزادی فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے۔ کبھی حالتِ نماز میں پشت مبارک پر چڑھ جاتے۔ جاں نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے۔ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آٹھ سال ہی کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

عہدِ صدیقی

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسندِ نشین خلافت ہوئے۔ آپ بھی ذاتِ نبوی کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نمازِ عصر سے فارغ ہو کر نکلے، سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کھیلتے دیکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پیار سے اٹھالیا، کندھے پر بٹھالیا، اور فرمانے لگے، خدا کی قسم! یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علیؓ کے مشابہ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرادیے۔ (۹)

امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ جب آپ نے کبار صحابہ کے وظائف مقرر کیے تو گو حضرت اس صف میں شمار نہیں ہوتے تھے، لیکن آپ نے ان کا بھی پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ (۱۰)

امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانے میں ایسا ہی شفقت آمیز طرزِ عمل جاری رکھا۔ صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی کم سنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ سیّدنا عثمانؓ کے عہد میں وہ جوان ہو چکے تھے، چنانچہ اسی دور میں ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے آپ طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔

جب امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسندِ خلافت خالی ہوگئی اور مسلمانوں کی نگاہِ انتخاب سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر پڑی اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے تو حسن رضی اللہ عنہ نے غایتِ عاقبت اندیشی سے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ جب تک تمام ممالکِ اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اُس وقت تک آپ اسے قبول نہ کریں۔

لیکن سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرین وانصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کرلیں تو پھر تمام ممالکِ اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ (۱۱)

امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے معاملہ میں صحابہ کی آراء مختلف ہوگئیں۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے اس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن حالات کی سنگینی امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قصاص لینے سے رکاوٹ تھی، جس سے باہمی اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلافت کے پانچویں سال ۱۷/ رمضان المبارک ۴۰ھ میں ابن ملجم کے ہاتھوں امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجروح ہوگئے، جس کے باعث آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ اسی روز لوگوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ (۱۲)

زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی فوج میں اختلاف و انتشار پایا جاتا ہے تو آپ ان سے بیزار اور مایوس ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو، جو اہلِ شام کے ساتھ مسکن تک آ چکے تھے، ایک خط کے ذریعے صلح کی مشروط پیشکش کی۔ اگر وہ شرط قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو جائیں گے اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے۔ لوگوں کو اس خط کا علم ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اتفاقِ رائے ہو گیا۔ (۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی اپنی زندگی میں فرما دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔'' (۱۴)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شہزادوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

الحسن والحسین سید الشباب اھل الجنة۔

ترجمہ: حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جنتیوں کے سردار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھما ریحانتای من الدنیا۔ (۱۵)

ترجمہ: حسن اور حسین میرے گلِ خنداں ہیں۔

شہادت کا واقعہ

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ۵۰ھ میں زہر دیا گیا، جو ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے عظیم والد ماجد کی جگہ ۴۱ھ میں والی مقرر ہوئے۔ اسی سال سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی۔ آپ کی خلافت چھ ماہ رہی۔

اس طرح ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں اس بوریہ نشین مسندِ بے نیازی نے اس دنیائے دُنی کو خیر باد کہا۔ وفات کے وقت عمر مبارک ۴۷ یا ۴۸ سال تھی۔ اور جنت البقیع میں راحت گزیں ہوئے۔

اولاد میں آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ بیویوں کی تعداد بہت زیادہ بیان کی جاتی ہے۔

نواسۂ رسول سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ

حسین نام، ابو عبد اللہ کنیت، سیّد شباب اہل الجنۃ اور ریحانۃ النبی لقب، والد گرامی قدر علیؓ، اور سیّدہ بتول جگر گوشۂ رسول فاطمہؓ والدہ ماجدہ تھیں۔ اس لحاظ سے آپ کی ذات ستودہ صفات قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔ شجرۂ طیبہ یہ ہے: حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی و مطلبی۔

ع دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پیدائش

ابھی آپ شکمِ مادر میں تھے کہ حضرت ام فضل بنت حارثؓ نے خواب دیکھا کہ کسی نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اُن کی گود میں رکھ دیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں نے ایک ناگوار اور بھیانک خواب دیکھا ہے، جو ناقابلِ بیان ہے۔ آپ ﷺ کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ تو مبارک خواب ہے۔ فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا اور تم اسے گود میں لو گی۔ (۱۶)

ولادت باسعادت کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ نومولود کو دیکھا۔ کانوں میں اذان دی۔ نام رکھا۔ سر کے بال اتروا کر ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ پدر بزرگوار کے حکم کے مطابق سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے عقیقہ کیا۔ (۱۷)

خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی میں پروان چڑھے۔ خلافتِ عثمانی میں عنفوانِ شباب کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے برادرِ بزرگ کے شانہ بشانہ شریکِ کار رہے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دستبردار ہو جانے کے بعد ۵۶ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی ان حضرات کے ساتھ تھے جو اس بیعت کے حق میں نہیں تھے۔ یزید کی ہمنوائی اور اس کی بیعت سے انکار اور گریز بالآخر میدانِ کربلا میں خانوادۂ نبوت کی شہادت پر منتج ہوا۔ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آ گئی کہ فلکِ امامت کا آفتاب میدانِ جنگ کے افق پر طلوع ہوا۔ طویل اور شدید جنگ کے بعد محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء کو خانوادۂ نبوی کا آفتابِ ہدایت ہمیشہ

کے لیے روپوش ہو گیا۔

اولاد

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں علی اکبر، عبداللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعۂ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام زین العابدین زندہ بچ گئے، ان ہی سے نسل چلی۔ صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب تھیں۔

امام زین العابدینؒ

نام ونسب

علی نام، ابوالحسن کنیت، زین العابدین لقب، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزندِ اصغر اور ریاضِ نبوت کے گلِ تر تھے۔ میدانِ کربلا میں اہلِ بیت نبوی کا چمن اُجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیمِ سیادت پھیلی اور حسینؓ کا نام باقی رہا۔

دودھیالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے۔ نانھیالی شجرہ مختلف فیہ ہے۔ مشہور روایت کے مطابق آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسے یعنی مائی شہربانوں کے فرزندِ ارجمند تھے۔

واقعۂ کربلا کے وقت عمرِ مبارک ۲۳ سال تھی۔ آپ کی ولادت ۳۸ھ اور وفات ۹۵ھ میں ہوئی۔

امام زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں سے باقی ہے۔ محمد باقر، عبداللہ الباہر، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر، علی الاصغر۔

دو بیٹیاں ام کلثوم اور خدیجہ تھیں۔

عبداللہ

امام باقر کے برادرِ شفیق ہیں۔ ان کی نسل محمد الارقط سے جاری ہے۔

اس کا ایک ہی بیٹا اسماعیل تھا۔ ان کے دو بیٹے حسین اور محمد تھے اور محمد کی نسل ترے، قم اور جرجان میں پائی جاتی ہے۔

زید الشہید

ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ ان کا وصال ۱۵ صفر ۱۲۱ھ میں ہوا۔ چار فرزند تھے۔ یحییٰ، جو

اٹھارہ سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔ ان کی ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے۔ حسین ذی الدمعہ، عیسیٰ موتم الاشبال اور محمد، ان سے نسل چلی ہے۔

عمر الاشرف

زید شہید کے برادرِ شفیق ہیں۔ ان کی نسل علی الاصغر سے جاری ہوئی۔ ان کے تین فرزند تھے: قاسم، عمر اور ابو محمد الحسن۔ نسل کثیر باقی ہے۔

حسین الاصغر

ان کی والدہ ساعدہ ہے، جو ام ولد ہیں۔ حسین الاصغر نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ بیٹے: عبداللہ، عبیداللہ، علی، ابو محمد الحسن، سلیمان تھے۔ حجاز، عراق، شام اور مغرب میں نسل پائی جاتی ہے۔

علی الاصغر

ان کی نسل افطس سے جاری ہے۔ افطس کی نسل علی الحوری، عمر، حسین، حسن مکفوق، عبداللہ الشہید سے جاری ہے۔

امام باقر

محمد نام، باقر لقب، ابو جعفر کنیت ہے۔ باقر العلوم، وافر الحلم، جلیل القدر تھے۔ صحاح میں ان کی مرویات پائی جاتی ہیں۔

واقعۂ کربلا کے وقت تقریباً تین سال عمر تھی۔ ان کی نسل امام جعفر صادق سے جاری ہے۔ (۱۸)

نواسی رسول سیّدہ اُم کلثومؓ بنتِ علیؓ

اُم کلثوم نام، والد گرامی کا نام علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب، اور والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیّدہ اُم کلثوم نواسی رسول اللہؐ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر اور جگر گوشۂ سیّدہ فاطمہ بتولؓ ہیں۔

اپنی والدہ محترمہ کے وصال کے بعد اپنی خالہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیّدہ امامہ بنت العاص، جن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا، کی پرورش اور نگہداشت، شفقت ومحبت میں پروان چڑھیں۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نواسی رسول سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا اور ایک انتہائی معقول بات بھی کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

كُلُّ نَسَبٌ وَ سَبَبٌ منقطع يوم القيامة، الا نسبي و سببي۔

ترجمہ: قیامت کے دن ہر ایک سلسلۂ نسب ختم ہو جائے گا، لیکن میرا سلسلۂ نسب منقطع نہیں ہوگا۔

اس لیے میری خواہش ہے کہ اس رشتے کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا نسب قائم ہو جائے، تا کہ قیامت کے دن یہ منقطع نہ ہونے پائے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابہ کرام، جن میں حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر مہاجرین شامل تھے، نے مجلس نکاح منعقد کی، اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (۱۹)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پہلے ہو چکی تھی۔ خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا رشتہ طلب کرتے ہوئے کہا، میں اس رشتے کے ذریعے وہ عزت و کرامت حاصل کرنا چاہتا ہوں جو دوسرے کسی رشتے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اوّلاً صغرسنی کا عذر پیش کیا، لیکن پھر سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی رضامندی حاصل ہو جانے پر ریاض الجنۃ میں مہاجرین اور معزز صحابہ کرام کی مجلس میں چالیس ہزار درہم مہر کے عوض نکاح کر دیا۔ (۲۰)

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نواسی رسول مقبول ﷺ کے بطن سے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد، ایک بیٹا زید اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئی۔ زید بن عمر اور سیدہ ام کلثوم بنت سیدہ فاطمہ بتولؓ دونوں ماں بیٹا ایک ہی دن فوت ہوئے اور دونوں کا جنازہ ایک ساتھ پڑھا گیا۔ (۲۱)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عون بن جعفر بن ابی طالب سے کر دیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد عون کے بھائی محمد بن جعفر بن ابی طالب سے اور محمد کے وصال کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔ (۲۲)

نواسی رسول سیدہ زینبؓ بنتِ علیؓ

نام زینب، والد گرامی قدر علیؓ بن ابی طالب، اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ خاتونِ جنت اور نواسی رسول ہیں۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح ہوا۔ جن سے علی، عون الاکبر، عباس، محمد اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔ (۲۳)

میدانِ کربلا میں قافلۂ شہداء کے ہمراہ تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمن کے کید و شر سے محفوظ رکھا۔

علامہ سید قاسم محمود لکھتے ہیں:

۵ر جمادی الاولیٰ ۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۵ر رجب ۶۲ھ میں وصال ہوا۔ فاطمۃ الزہراؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور تاریخ اسلام کی محترم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔

انہیں عقیلۂ بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔ ام کلثوم اور ام الحسن آپ کی کنیت تھی۔ صدیقہ صغریٰ ان کا لقب تھا۔ ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھا۔ ساتویں دن حضور انور ﷺ نے عقیقہ فرمایا۔ چھ سات برس کی تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن جعفر کربلا میں شہید ہوئے۔ واقعۂ کربلا کے بعد حضرت زینبؓ دمشق میں اہلِ بیت کے ساتھ رہیں۔ استقامت، عبادت، ایثار، جہاد اور حمایتِ دین کا جو مظاہرہ آپ نے فرمایا، اُس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ (۲۴)

حواشی

آل اور اہلِ بیت کی توضیح

۱۔ لسان العرب، ج ۱۱، ص ۱۳۰، اھل

۲۔ ایضاً، ص ۲۹

۳۔ القاموس المحیط، ج ۳، ص ۱۴۷۶

۴۔ مفردات القرآن، اُردو، ج ۱، ص ۵۸

۵۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ج ۱، ص ۵۴

۶۔ مفردات القرآن، اُردو، ج ۱، ص ۵۶

۷۔ ایضاً، ص ۵۸

۸۔ شرح مہذب، ج ۳، ص ۴۴۸

۹۔ فتح الباری، ص ۱۹۴، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۳۵۸

۱۰۔ الصواعق المحرقہ، ص ۱۴۴

۱۱۔ اشعۃ اللمعات، فارسی، ج ۳، ص ۶۸۰-۶۸۱

۱۲۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۶، کتاب الطہرت

۱۳۔ ترمذی، ج ۲، ص ۸۵، کتاب الایمان

۱۴۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۴۴، کتاب الطلاق

۱۵۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح

۱۶۔ ابوداؤد، کتاب النکاح

۱۷۔ ترمذی، ج ۲، ابواب المناقب

۱۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۵۵

۱۹۔ بخاری، ج ۲، ص ۸۰۸، کتاب النفقات، باب نفقۃ المعسر علی اھلہ
۲۰۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۹۰
۲۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۳۳، کتاب الحج، باب الزیارت یوم النحر
۲۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۹۵؛ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۰۲
۲۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۹۷؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۵، کتاب التوحید
۲۴۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۷، کتاب التوحید حدیث افک
۲۵۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب نمبر ۱۷، حدیث نمبر ۶۴۶۰؛ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ، حدیث نمبر ۱۰۵۵
۲۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب معیشۃ آلِ محمد، ص ۳۰۶
۲۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۹۵۶، کتاب الرقاق
۲۸۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۰۹
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ ایضاً، ص ۴۱۰
۳۱۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۲۲، کتاب النکاح
۳۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۶، کتاب المغازی، حدیث نمبر ۱۲۰۵
۳۳۔ معارف الحدیث، ج ۵، ص ۲۴۲-۲۴۳
۳۴۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۳۱
۳۵۔ از تفہیم البخاری، ج ۲، ص ۵۱۹
۳۶۔ اشرف الجواب، ص ۸۵
۳۷۔ شفا قاضی عیاض، ج ۲، ص ۲۶؛ شرح شفا القاری، ج ۲، ص ۱۴۷؛ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۱
۳۸۔ شرح مہذب، ج ۳، ص ۴۴۹
۳۹۔ اوجز المسالک، ج ۲، ص ۱۵۴
۴۰۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۷۹، کتاب فضائل صحابہ، باب فضل علی بن ابی طالب، حدیث نمبر ۲۴۰۸
۴۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۴۵، کتاب الزکاۃ، باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ
۴۲۔ شرح نووی، مسلم، ج ۱، ص ۳۴۴؛ شرح مہذب، ج ۳، ص ۴۴۸
۴۳۔ شفا قاضی عیاض، ج ۲، ص ۴۷

۴۴۔ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۴۸۹؛ طبرانی کبیر، ج ۲، ص ۲۸۵
۴۵۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷
۴۶۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، حدیث نمبر ۱۱۰۷۰؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷
۴۷۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، ص ۱۷۳، حدیث نمبر ۱۱۵۴۳؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۸
۴۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۰۷، سورۃ احزاب، باب لاتدخلوا بیوت النبیؐ
۴۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۶۰
۵۰۔ ترمذی، ج ۲، ص ۱۵۲، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب
۵۱۔ ورثۃ الصحابہ، ص ۲۶۵-۲۷۲
۵۲۔ التسان فی رمضان، ص ۲، وعظ چہارم، از سلسلۃ البلاغ
۵۳۔ تفسیر معارف القرآن ادریسی، ج ۶، ص ۲۶۵
۵۴۔ تفسیر معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۳۹
۵۵۔ تفسیر جواہر القرآن، ج ۳، ص ۹۳۹
۵۶۔ سیرت مصطفیٰ، ج ۳، ص ۲۴۸
۵۷۔ ایضاً، ص ۲۸۰
۵۸۔ تفسیر معارف القرآن ادریسی، ج ۷، ص ۱۴۰
۵۹۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۱، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۳۵۸
۶۰۔ مرقاۃ المفاتیح، ج ۱۱، ص ۳۷۰، مناقب اہل بیت
۶۱۔ اشعۃ اللمعات، ج ۳، ص ۶۸۰-۶۸۱
۶۲۔ تحفہ اثنا عشریہ، اردو
۶۳۔ اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۲۰۱
۶۴۔ تفسیر حقانی، ج ۶، ص ۹۰
۶۵۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۴، ص ۱۸۳
۶۶۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۵۲۹
۶۷۔ تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۲۳۱-۲۳۲
۶۸۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۸۲
۶۹۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۰، حدیث نمبر ۲۳۵۸

۷۰۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، پارہ نمبر ۲۲، ص ۱۵
۷۱۔ ایضاً، ص ۱۹
۷۲۔ تفسیر مظہری، اُردو، ج ۹، ص ۲۵۴
۷۳۔ تفسیر معارف القرآن مفتی، ج ۷، ص ۱۴۰
۷۴۔ اوجز المسالک، ج ۴، ص ۱۵۷
۷۵۔ مجموعہ تفاسیر لکھنوی، ص ۷۹-۸۰
۷۶۔ معارف الحدیث، ج ۸، ص ۲۹۳
۷۷۔ احکام القرآن جصاص، اُردو، ج ۶، ص ۲۹۷؛ احکام القرآن جصاص، عربی، ج ۵، ص ۲۳۰
۷۸۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۵۲۸
۷۹۔ تفسیر کشاف، ج ۴، ص ۵۳۸
۸۰۔ تفسیر زاد المسیر، ج ۳، ص ۴۶۲، سورۃ احزاب
۸۱۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی، ج ۲۶، ص ۱۸۱
۸۲۔ تفسیر قرطبی، ۱۴، ص ۱۸۲، سورۃ احزاب
۸۳۔ تفسیر نسفی، ج ۳، ص ۳۰۲
۸۴۔ تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۲۳۱-۲۳۲
۸۵۔ تفسیر در منثور، ج ۶، ص ۳۳، سورۃ احزاب
۸۶۔ تفسیر ابن کثیر، اُردو، ج ۵، سورۃ احزاب
۸۷۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۳، سورۃ احزاب
۸۸۔ تفسیر حقانی، ج ۶، ص ۸۹
۸۹۔ روح المعانی، ص ۱۲، ج ۲۲
۹۰۔ تفسیر معارف القرآن ادریسی، ج ۶، ص ۲۶۱-۲۶۵
۹۱۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۹، ابواب المناقب، باب مناقب اہل بیت
۹۲۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۰، باب مناقب اہل بیت
۹۳۔ مرقاۃ المفاتیح، ج ۱۱، ص ۳۸۵
۹۴۔ اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۶۹۰، مناقب اہل بیت، فصل ثانی
۹۵۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۶، سورۃ احزاب، آیت ۳۳

۹۶۔ اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۶۸۰
۹۷۔ لسان العرب، ج ۴، ص ۵۳۸
۹۸۔ القاموس المحیط، ج ۱، ص ۶۱۰
۹۹۔ ایضاً، ص ۱۰۴۳
۱۰۰۔ غیاث اللغات، ص ۳۲۷
۱۰۱۔ مظاہر حق، ج ۵، ص ۷۷۵، مناقب اہل بیت

آلِ بیت نسبی

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۴۳
۲۔ المعارف ابن قتیبہ، ص ۵۲
۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۴۲
۴۔ ایضاً، ص ۳۴۳
۵۔ صحیح مسلم، ج ۱، کتاب الحج، باب الحجۃ النبیؐ، حدیث نمبر ۱۲۱۸
۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۳۴۳
۷۔ الاصابہ، ج ۱، ص ۳۵۳
۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶
۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
۱۰۔ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۱۲۸؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۹۶؛ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
۱۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۶۶؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۴۳
۱۳۔ استیعاب برحاشیہ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۹۷؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۹۷
۱۴۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۲۷۱
۱۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۰۹
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۰
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۰۹
۱۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۲، کتاب المغازی

۱۹۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۵۳

۲۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۲۳: اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۰

۲۱۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۷، ابواب المناقب، باب مناقب ابی الفضل

۲۲۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۰۰: مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۲۹

۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللّٰہ تعالٰی – وفی الرقاب والغرمین، حدیث نمبر ۱۳۶۸: صحیح مسلم، ج ۱، کتاب الزکوۃ، باب فی تقدیم الزکوۃ، حدیث نمبر ۹۸۳

۲۴۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، ج ۲، ص ۲۱۷

۲۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۲

۲۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۲۱

۲۷۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۰

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۲۹۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۱۸۳

۳۰۔ الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۰۸: اسد الغابہ، ج ۴، ص ۱۸۳

۳۱۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۰۸

۳۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۴۰

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۳: الاصابہ، ج ۲، ص ۳۳۰

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۹۱

۳۸۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۲۸: مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۳۳۰

۳۹۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، ص ۲۱۰۸

۴۰۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۱

۴۱۔ الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۵۲: حلیہ، ج ۱، ص ۳۱۶

۴۲۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۳۵۲

۴۳۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۳۱۶

۴۴۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۵: الاصابہ، ج ۳، ص ۳۳۴

۴۵۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۱۱۵: البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲

۴۶۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶: ج ۴، ص ۳۸۲: برحاشیہ الاصابہ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲

۴۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۸۲، برحاشیہ الاصابہ

۴۸۔ سیرت علی المرتضیٰ، ص ۲۲

۴۹۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۴۵۰، سورۃ قصص

۵۰۔ تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۴۲۲

۵۱۔ تفسیر زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۸۸، سورۃ قصص

۵۲۔ تفسیر کبیر، ج ۱۳، ص ۳

۵۳۔ تفسیر قرطبی، ج ۷، ص ۲۹۹

۵۴۔ تفسیر نفسی، ج ۳، ص ۲۴۰

۵۵۔ تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۱۲۶

۵۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۹۴

۵۷۔ تفسیر در منثور، ج ۶، ص ۴۸۰، سورۃ قصص

۵۸۔ تفسیر جامع البیان، ج ۷، ص ۵۶؛ تفسیر نفسی، ج ۲، ص ۳۱۸؛ تفسیر بغوی، ج ۲، ص ۳۳۰؛ تفسیر کشاف، ج ۲، ص ۳۱۴؛ تفسیر کبیر رازی، ج ۸، ص ۱۶۵؛ تفسیر زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۰۴؛ تفسیر قرطبی، ج ۸، ص ۲۷۲؛ تفسیر در منثور، ج ۳، ص ۲۷۱

۵۹۔ صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللّٰہ، حدیث نمبر ۱۳۶۰: بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصہ ابی طالب، حدیث نمبر ۳۸۸۳، ۳۸۸۴: بخاری، کتاب التفسیر، باب ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفر للمشرکین، حدیث نمبر ۴۶۷۵: بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۷۷۲: بخاری، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر ۶۶۸۱: صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۴۱، ۴۲: مسند امام احمد، ج ۲، ص ۴۳۴: ج ۵، ص ۴۳۳

۶۰۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶ تحت علی بن ابی طالب: البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲

۶۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲

۶۲۔ تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۱۶۳، بحوالہ سیرت علی المرتضیٰ، ص ۲۶

۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۴۰، تحت عقیل بن ابو طالب
۶۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۳۳؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۲۲
۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۳۱؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۲۳
۶۶۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۲۳
۶۷۔ ایضاً
۶۸۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۱-۲۰۳؛ ج ۵، ص ۲۹۰
۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۳۶؛ صحیح بخاری، غزوہ خیبر
۷۰۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱، کتاب المغازی، باب غزوہ موتہ
۷۱۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۸۸؛ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۳۲
۷۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱، غزوہ موتہ
۷۳۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۸۸
۷۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۳۹؛ ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۷؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰۹
۷۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۳۶
۷۶۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۵، کتاب الجہاد، باب غزوہ ذی قرود وغیرھا
۷۷۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۴
۷۸۔ ایضاً، ص ۲۹، تحت فضل ابی بکر
۷۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۴؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۹۷؛ سیرت حلبیہ، ج ۲، ص ۴۸
۸۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۴
۸۱۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۶۸؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۳۶
۸۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۰
۸۳۔ سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۲۸، غزوہ خندق
۸۴۔ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۵۹
۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۹۴، تحت سریہ علی بن ابی طالب الی بنی سعد بن بکر
۸۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۳۷۲، کتاب الصلح
۸۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۰۵، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر
۸۸۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ فتح

۸۹۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۱۱
۹۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۵۵، تحت سنہ ۱۵ھ
۹۱۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۲۹، بحوالہ سیر الصحابہ، ج ۱، ص ۲۶۶
۹۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۳۲
۹۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۴۵
۹۴۔ ایضاً، ص ۴۶
۹۵۔ ایضاً
۹۶۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۲
۹۷۔ ایضاً، ص ۳۳۴
۹۸۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۵۹
۹۹۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۹۳، تحت زواج عبداللہ من امنہ
۱۰۰۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۴۹۸
۱۰۱۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۹۳
۱۰۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۲
۱۰۳۔ ایضاً، ص ۱۵۳
۱۰۴۔ ایضاً، ص ۲۵۳
۱۰۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳
۱۰۶۔ ایضاً

آل بیت سکنیؓ

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۲، ص ۳۱۴
۲۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۱، ص ۳۷۰
۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۹۱-۹۲؛ شرح زرقانی، ج ۱، ص ۳۷۲
۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۹۲؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۱، ص ۳۷۴
۵۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۰۰
۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الوحی

۷۔ طبرانی، ج ۲۲، ص ۲۵۱

۸۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۹۱

۹۔ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۵۷

۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۱؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۸۳

۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۴

۱۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۳۹؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۸۴

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۵

۱۵۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۲۷

۱۶۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۰۵

۱۷۔ مسند امام احمد، ج ۴، ص ۲۲۲

۱۸۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۸۴

۱۹۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۵؛ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۶۵

۲۰۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۳۳۴

۲۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۶۲

۲۲۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۹۷، کتاب الادب

۲۳۔ سیرت عائشہ، ص ۱۸

۲۴۔ ترمذی، ج ۲، ص ۱۴۷، تفسیر سورۃ المومنون

۲۵۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۳۱

۲۶۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۵۹، تذکرۂ عائشہ؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۵۰

۲۷۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۹۷، کتاب الادب، باب فی المراۃ تکنی؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۱۵۱، ۱۸۶

۲۸۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۹۳

۲۹۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۱۰۷، ۲۶۰؛ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۸؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۷۸

۳۰۔ کشف الخفاء مزیل الالتباس مما اشتہر علی السنۃ الناس احمد عطا حلبی، ج ۱، ص ۳۷۴

۳۱۔ سیرت عائشہ، ص ۱۸

۳۲۔ مجمع البحار الانوار، ج ۱، ص ۵۵۸

۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۴۰

۳۴۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۳

۳۵۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۳۵

۳۶۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۲۳

۳۷۔ سیرت عائشہ صدیقہ، ص ۲۹

۳۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۴

۳۹۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۸۳

۴۰۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۵۱، باب تزویج عائشہ؛ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۴۱، ۱۲۸، ۱۹۱

۴۱۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۸

۴۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۰۳۸

۴۳۔ ایضاً، کتاب الرؤیا

۴۴۔ شرح زرقانی علی المواہب، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۸۷

۴۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۷، ص ۵۲۸

۴۶۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۱۳

۴۷۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۱۳؛ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۳۹

۴۸۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۸

۴۹۔ ابن ابی شیبہ، ج ۷، ص ۵۲۹

۵۰۔ ازواج النبی، ص ۹۰

۵۱۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۰۱

۵۲۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۴۰

۵۳۔ ترمذی، ج ۲، ص ۵۸، ابواب الزہد، باب ماجاء فی معیشۃ النبیؐ

۵۴۔ الترغیب والترہیب، ج ۴، ص ۱۸۸

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۹۳

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۵۷۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۲ ص ۴۲

۵۸۔ ادب المفرد امام بخاری، ص ۸۰، باب سخاوۃ النفس، حدیث نمبر ۲۸۰

۵۹۔ مسند امام احمد، ج ۲ ص ۹۹

۶۰۔ ادب المفرد فضل من یعول یتیماً، ص ۴۵، باب نمبر ۴۷

۶۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۲

۶۲۔ سیرت عائشہ، ص ۱۶۹

۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۶۸

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۶۸؛ زرقانی طبع جدید، ج ۳ ص ۳۷۸

۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۶۸

۶۷۔ ایضاً

۶۸۔ مسلم، ج ۱ ص ۴۷۳؛ مسند امام احمد، ج ۶ ص ۶۸

۶۹۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۳۰، حدیث نمبر ۸۰؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۳۲؛ زرقانی طبع جدید، ج ۳ ص ۲۲۷

۷۰۔ سیرت النبویہ، ج ۲ ص ۳۱۴

۷۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۷۰

۷۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۷۰؛ زرقانی طبع جدید، ج ۳ ص ۲۹۱

۷۳۔ مسند امام احمد، ج ۶ ص ۳۲۴؛ مجمع الزوائد، ج ۳

۷۴۔ صحیح مسلم، ج ۱ ص ۴۷۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۷۰؛ زرقانی طبع جدید، ج ۳ ص ۳۷۸

۷۵۔ الاصابہ، ج ۴ ص ۳۳۹؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴ ص ۳۸۰

۷۶۔ بخاری، ج ۱ ص ۲۶

۷۷۔ بخاری، ج ۲ ص ۷۰۷

۷۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۶۹

۷۹۔ ایضاً ص ۲۷۱

۸۰۔ الاصابہ، ج ۴ ص ۳۳۹

۸۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۷۰

۸۲۔ اسد الغابہ، ج ۵ ص ۲۶۰

۸۳۔ طبرانی کبیر، ج ۴ ص ۳۶؛ الاصابہ، ج ۴ ص ۳۳۹

۸۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۲؛ الاستیعاب برحاشیہ اصابہ، ج ۴ ص ۲۶۸

۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۳

۸۶۔ بخاری، ج ۲ ص ۷۶۷، کتاب النکاح

۸۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۵؛ الاستیعاب، ج ۴ ص ۲۶۹ برحاشیہ

۸۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۶؛ مستدرک حاکم، ج ۴ ص ۱۵

۸۹۔ الاصابہ، ج ۴ ص ۲۷۳

۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۶

۹۱۔ مسند امام احمد، ج ۶ ص ۲۸۵

۹۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۷؛ الاصابہ، ج ۴ ص ۲۷۳

۹۳۔ الاستیعاب، ج ۴ ص ۳۱۲ برحاشیہ الاصابہ؛ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۳۰۳

۹۴۔ طبرانی کبیر، ج ۲۴ ص ۵۷

۹۵۔ اسد الغابہ، ج ۵ ص ۳۶۶؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴ ص ۱۱

۹۶۔ الاستیعاب، ج ۴ ص ۳۱۳ برحاشیہ الاصابہ؛ الاصابہ، ج ۴ ص ۳۱۳

۹۷۔ طبرانی کبیر، ج ۲۴ ص ۵۸

۹۸۔ اسد الغابہ، ج ۳ ص ۱۳۱

۹۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۳۰۳

۱۰۰۔ الاصابہ، ج ۴ ص ۳۱۵

۱۰۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۳۰۳

۱۰۲۔ ایضاً

۱۰۳۔ ایضاً ص ۲۸۷

۱۰۴۔ الاصابہ، ج ۴ ص ۴۵۸

۱۰۵۔ ایضاً

۱۰۶۔ سیرت حلبیہ، اردو، ج ۶ ص ۴۲۸

۱۰۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸ ص ۲۸۶

۱۰۸۔ ازواج النبیؐ

۱۰۹۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۵۴ برحاشیہ الاصابہ

۱۱۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۵۴ برحاشیہ الاصابہ

۱۱۱۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۲۸، کتاب المناقب

۱۱۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۸

۱۱۳۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۸۸؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۴۵۸

۱۱۴۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۳، کتاب النکاح

۱۱۵۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۳؛ ترمذی، ج ۲، ص ۱۸۹، ابواب الدعوات؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۲۷

۱۱۶۔ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۳۹۸

۱۱۷۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰۰

۱۱۸۔ ایضاً

۱۱۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰۰؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۱۳

۱۲۰۔ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۲۷-۲۸

۱۲۱۔ طبقات ابن سعد

۱۲۲۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۰۱

۱۲۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۳۹، کتاب الحیض

۱۲۴۔ کتاب الاذکار، مترجم، ج ۱، ص ۲۲۳

۱۲۵۔ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۰۲

۱۲۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲

۱۲۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۴ برحاشیہ الاصابہ

۱۲۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۹؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۱۴

۱۲۹۔ سیرت المصطفیٰ، ج ۳، ص ۳۰۹

۱۳۰۔ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۰

۱۳۱۔ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۳۹؛ مسلم، ج ۲، ص ۳۶۱

۱۳۲۔ طبرانی کبیر، ج ۴، ص ۳۹

۱۳۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۰۷، سورۃ احزاب؛ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۱

۱۳۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۱

۱۳۵۔ صحیح بخاری، ج ۲، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب

۱۳۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۸۰، بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین

۱۳۷۔ معارف القرآن مفتی، ج ۶، ص ۲۱۰

۱۳۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۹۱؛ مسلم ج ۲، ص ۲۹۱

۱۳۹۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۵

۱۴۰۔ سیرت حلبیہ، اُردو، ج ۶، ص ۳۳۳؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۴

۱۴۱۔ شرح نووی، مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱

۱۴۲۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۵؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۵

۱۴۴۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۴

۱۴۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۰۶

۱۴۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۳۰۰؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۷۔ ایضاً

۱۴۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۵؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۴۵۴

۱۴۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰، الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۵۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲

۱۵۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶۵، کتاب الشہادۃ، باب تعدیل النساء بعضهن بعضا

۱۵۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶۵؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۴

۱۵۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲

۱۵۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰

۱۵۵۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۳۸

۱۵۶۔ معارف ابن قتیبہ، بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین، ص ۱۸۸

۱۵۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰-۳۰۱

۱۵۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۷۰۲

۱۵۹۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰۸، باب الاسلامی

۱۶۰۔ مسلم، ج۲، ص۲۰۸، کتاب الادب

۱۶۱۔ مسلم، ج۲، ص۲۰۸؛ روض الانف، ج۱، ص۲۱۹؛ الاستیعاب، ج۴، ص۳۶۱ برحاشیہ الاصابہ

۱۶۲۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۳۰۳؛ اسد الغابہ، ج۵، ص۴۲۰

۱۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۳۰۳

۱۶۴۔ البدایہ والنہایہ، ص۴۲؛ سیرت ابن ہشام، ج۳، ص۳۰۲

۱۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج۲، ص۲۸۱، غزوہ مریسیع

۱۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج۲، ص۱۸۱

۱۶۷۔ طبقات ابن سعد، ج۱، ص۳۰۳؛ سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۵۸۲

۱۶۸۔ البدایہ والنہایہ، ج۴، ص۱۵۹

۱۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۳۰۳؛ زرقانی، طبع جدید، ج۴، ص۴۲۷

۱۷۰۔ مستدرک حاکم، ج۴، ص۴۷

۱۷۱۔ ایضاً

۱۷۲۔ طبرانی کبیر، ج۲۳، ص۵۹

۱۷۳۔ الاستیعاب، ج۱، ص۲۹۹ برحاشیہ الاصابہ؛ الاصابہ، ج۱، ص۲۸۱، ترجمہ: حارث بن ابی ضرار؛ خصائص کبریٰ، اُردو، ج۱، ص۴۸۵؛ عیون الاثر، ج۲، ص۳۹۹

۱۷۴۔ مسند امام احمد، ج۶، ص۲۷۷؛ طبرانی کبیر، ج۲۳، ص۶۱؛ مستدرک حاکم، ج۴، ص۲۷؛ البدایہ والنہایہ، ج۴، ص۱۵۹؛ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۳۰۴

۱۷۵۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۳۰۳؛ الاستیعاب، ج۴، ص۱۵۹ برحاشیہ الاصابہ

۱۷۶۔ مسلم، ج۲، ص۳۵۰، کتاب الدعاء؛ مسند امام احمد، ج۶، ص۳۲۵

۱۷۷۔ ترمذی؛ زرقانی، طبع جدید، ج۴، ص۴۲۷

۱۷۸۔ بخاری، ج۱، ص۲۶۶

۱۷۹۔ مسلم، ج۱، ص۳۳۵، کتاب الزکوٰۃ

۱۸۰۔ البدایہ والنہایہ، ج۸

۱۸۱۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج۴، ص۲۰

۱۸۲۔ الاستیعاب، ج۴، ص۳۰۳ برحاشیہ الاصابہ؛ مستدرک حاکم، ج۴، ص۲۰

۱۸۳۔ الاصابہ، ج۴، ص۳۰۵

۱۸۴۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۲؛ الاصابہ، ج۴، ص۳۰۵؛ مستدرک، ج۴، ص۲۰

۱۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۲

۱۸۶۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۲؛ الاصابہ، ج۴، ص۳۰۵؛ مستدرک حاکم، ج۴، ص۱۴۱

۱۸۷۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۳

۱۸۸۔ ایضاً

۱۸۹۔ البدایہ والنہایہ ج۴، ص۱۴۴

۱۹۰۔ سیر صحابیات، ص۸۳

۱۹۱۔ مسلم، ج۱، ص۲۵۱، فی صلوٰۃ المسافرین؛ مسند امام احمد، ج۶، ص۳۲۷

۱۹۲۔ ترمذی، ج۱، ص۵۵؛ مسند امام احمد، ج۶، ص۳۲۶

۱۹۳۔ بخاری، ج۱، ص۱۷۰، کتاب الجنائز، باب احداد المراۃ علی غیر زوجھا؛ مسلم، ج۱، ص۴۸۶، الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاہ

۱۹۴۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۴

۱۹۵۔ مسند امام احمد، ج۶، ص۳۲۶

۱۹۶۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۵

۱۹۷۔ الاستیعاب، ج۴، ص۳۰۶ برحاشیہ الاصابہ

۱۹۸۔ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۲۹۵

۱۹۹۔ البدایہ والنہایہ، ج۴، ص۱۳۵

۲۰۰۔ البدایہ والنہایہ، ج۴، ص۱۳۶؛ الاصابہ، ج۴، ص۳۰۷

۲۰۱۔ انساب الاشراف، ج۱، ص۴۴۰، بحوالہ ازواج النبیؐ، ص۱۲۶

۲۰۲۔ الاصابہ، ج۴، ص۳۰۷

۲۰۳۔ سیر الصحابیات، ص۹۰

۲۰۴۔ ازواج النبیؐ، حاشیہ، ص۲۱۳؛ فتح الباری، ج۴، ص۲۷۸، حدیث نمبر ۲۰۳۵، کتاب الاعتکاف

۲۰۵۔ الاستیعاب، ج۴، ص۳۲۶ برحاشیہ الاصابہ؛ طبقات ابن سعد، ج۸، ص۳۰۵

۲۰۶۔ الاستیعاب، ج۴، ص۳۳۶

۲۰۷۔ زرقانی، طبع جدید، ج۴، ص۳۶۹

۲۰۸۔ سیرت المصطفیٰ، ج۳، ص۳۳۵؛ سیر الصحابیات، ص۹۰

۲۰۹۔ سیر الصحابیات، ص ۹۰

۲۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۵؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۴۶ برحاشیہ الاصابہ؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۵۰

۲۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸

۲۱۲۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۱، باب ماجاء فی سهم الصفی

۲۱۳۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۴، کتاب الصلوٰۃ؛ ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۱

۲۱۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۱۰

۲۱۵۔ السمط الثمین، ص ۱۲۰

۲۱۶۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۰۶

۲۱۷۔ ایضاً

۲۱۸۔ ایضاً، ص ۶۰۴

۲۱۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸-۳۰۹؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۳۵

۲۲۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۴۷

۲۲۱۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۴۹۸، کتاب المناقب، حدیث نمبر ۱۵۳۸۰

۲۲۲۔ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۲۹

۲۲۳۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۹۰

۲۲۴۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۸ برحاشیہ الاصابہ؛ زرقانی، ج ۳، ص ۲۹۶؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۳۵؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۴۷

۲۲۵۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۹۵

۲۲۶۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۴۷

۲۲۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۴۷

۲۲۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹

۲۲۹۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۱۳۱، ۲۶۱

۲۳۰۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۹، ابواب المناقب؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۹

۲۳۱۔ ترمذی، ج ۲، ۲۲۹، ابواب المناقب؛ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۱۳۵

۲۳۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۹۶؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۳۵؛ السمط الثمین، ص ۱۲۲؛ مسند امام احمد،

ج ۶، ص ۱۳۷

۲۳۳۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۷؛ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۸۹، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ

۲۳۴۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۳۷، کتاب الحج، باب حاضت المرأۃ بعد ماافاضت

۲۳۵۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۷۲، باب هل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد؛ مسلم، ج ۲، ص ۲۱۶، کتاب السلام، باب انه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأۃ؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۷

۲۳۶۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۷

۲۳۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹

۲۳۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۴۶، واقعات ۵۰ھ

۲۳۹۔ سیرت حلبیہ، اردو، ج ۶، ص ۳۳۶؛ زرقانی طبع جدید، ج ۴، ص ۴۳۶

۲۴۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱۰؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۹ برحاشیہ الاصابہ

۲۴۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۴۶

۲۴۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۸۸؛ عیون الاثر، ج ۲، ص ۳۰۲

۲۴۳۔ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۹۶، ۳۰۶

۲۴۴۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۷؛ السمط الثمین، ص ۱۱۳-۱۱۵

۲۴۵۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۶؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۲؛ سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۹۶

۲۴۶۔ معارف ادریسی، ج ۶، ص ۳۱۱

۲۴۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۵ برحاشیہ الاصابہ

۲۴۸۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۲۳۹؛ العبر، ج ۱، ص ۸

۲۴۹۔ طبرانی کبیر، ج ۲۴، ص ۱۹؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۵، حدیث نمبر ۱۵۳۶۴؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۲

۲۵۰۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۱

۲۵۱۔ ایضاً، ص ۳۳۲

۲۵۲۔ ایضاً، ص ۳۳۳

۲۵۳۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۲؛ طبقات ابن سعد، ج ۸؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۲

۲۵۴۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۲

۲۵۵۔ ایضاً
۲۵۶۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۴، حدیث نمبر ۱۵۳۶۲
۲۵۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۸ بر حاشیہ الاصابہ
۲۵۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱۶
۲۵۹۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۵؛ شرح زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۶۱-۴۵۹

آل بیت ولادت

۱۔ مواہب اللدنیہ مع شرح زرقانی، ج ۴، ص ۳۱۳
۲۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۱ بر حاشیہ الاصابہ
۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۸
۴۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۹۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۸
۵۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۶
۶۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۶
۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۳۳۳؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۸
۸۔ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۹۵
۹۔ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۹۵؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۳۶
۱۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۱۲۸ بر حاشیہ الاصابہ؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۹
۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱
۱۲۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹
۱۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۸
۱۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۶
۱۵۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۴
۱۶۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۴۱؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۸
۱۷۔ شرح مواہب اللدنیہ، جدید، ج ۴، ص ۳۲۳
۱۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۴۴۲

۱۹۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۲ بر حاشیہ الاصابہ، تذکرہ رقیہؓ
۲۰۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۵۹
۲۱۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۷۰
۲۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱
۲۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۲۸۲ بر حاشیہ الاصابہ
۲۴۔ شرح زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۵
۲۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ تفسیر قرطبی، ج ۱۴، ص ۲۴۲
۲۶۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۶۱۲؛ البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۰۸
۲۷۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۲، حدیث ۳۶۲۰۰
۲۸۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۶۷، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابنۃ او اختہ علی اھل الخیر
۲۹۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹
۳۰۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۷؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۱
۳۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۵
۳۲۔ ایضاً، ص ۲۸۶
۳۳۔ زرقانی، شرح مواہب جدید، ج ۴، ص ۳۲۶
۳۴۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹
۳۵۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹؛ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۹، حدیث نمبر ۳۲۸۱۶؛ ج ۱۳، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۶۲۰۰
۳۶۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۸، حدیث نمبر ۳۲۸۴۱؛ ج ۱۳، ص ۴۴، حدیث نمبر ۳۶۲۰۶
۳۷۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۸
۳۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۴۸۷؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۶۱۲، ذکر ام کلثوم
۳۹۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۹۰، حدیث نمبر ۳۲۸۲۳
۴۰۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۶، حدیث نمبر ۳۲۸۰۰؛ ص ۵۸۸، حدیث ۳۲۸۱۲
۴۱۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۹۱، حدیث نمبر ۳۲۸۲۸
۴۲۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۶۲۰۱

۴۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۴

۴۴۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۳؛ حدیث نمبر ۳۶۲۲۶

۴۵۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۳

۴۶۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۶، حدیث نمبر ۳۶۲۳۶

۴۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۸۷

۵۰۔ بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، کتاب اللباس، باب الحریر للنساء؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۶۶

۵۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۱۶؛ البدایہ، ج ۵، ص ۳۹

۵۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۳۳

۵۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰، حدیث نمبر ۳۶۲۴۸

۵۴۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۱۷، ص ۱۸۲؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۶۱، کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۷

۵۵۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۶، حدیث نمبر ۳۶۲۳۷

۵۶۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰، ۶۳

۵۷۔ معجم طبرانی کبیر اوسط، حدیث نمبر ۶۱۱۴؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۶۱؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۷۵

۵۸۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰، حدیث نمبر ۳۲۶۴۸

۵۹۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۴؛ زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۷

۶۰۔ سنن ابن ماجہ

۶۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۶۷، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و وضوءہ بالماء والسدر

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ زرقانی شرح مواہب جدید، ج ۴، ص ۳۲۸

۶۴۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۱۲۸، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و وضوءہ بالماء والسدر

۶۵۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۸۰

۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۱۶

۶۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲

۶۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۹، کتاب الجنائز، باب من یدخل قبر المرأۃ

۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۲؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷

۷۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۷۴ بر حاشیہ الاصابہ

۷۱۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۷۷، ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا

۷۲۔ لسان العرب، لفظ فطم، ج ۱۲، ص ۴۵۴

۷۳۔ اتحاف السائل بما لفاطمہ من المناقب، اردو، ص ۲۵

۷۴۔ مواہب مع زرقانی، ج ۴، ص ۳۳۲

۷۵۔ شرح من زرقانی، ج ۴، ص ۳۳۲

۷۶۔ اتحاف السائل بما لفاطمہ من المناقب، اردو، ص ۲۵

۷۷۔ مواہب مع زرقانی، ج ۴، ص ۳۳۳

۷۸۔ لاڈلے رسول ﷺ کی چہیتی بیٹی، ص ۲۵

۷۹۔ القاموس الوحید، ص ۱۲۷

۸۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷

۸۱۔ لاڈلے رسول ﷺ کی چہیتی بیٹی، ص ۲۵

۸۲۔ لسان العرب، ج ۵، ص ۳۳۲، عنوان ذہر

۸۳۔ مدارج، اردو، ج ۲، ص ۷۸۷

۸۴۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷

۸۵۔ زرقانی شرح مواہب، ج ۲، ص ۳۵۷-۳۶۴، ذکر تزویج علی بفاطمہ رضی اللہ عنہا

۸۶۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۰؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۴۲

۸۷۔ زرقانی علی المواہب، ج ۲، ص ۳۶۵

۸۸۔ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۲۷۸-۲۸۳؛ جلاء العیون، اردو، ج ۱، ص ۱۶۸-۱۶۹

۸۹۔ جلاء العیون، اردو، ج ۱، ص ۱۷۳

۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۳، ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا

۹۱۔ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ

۹۲۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۱

۹۳۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷

۹۴۔ زرقانی علی مواہب، ج ۲، ص ۳۵۷، تزویج فاطمہؓ، ج ۳، ص ۳۳۳، ذکر اولاد الکرام

۹۵۔ زرقانی علی مواہب، ج ۲، ص ۳۵۸

۹۶۔ فتاویٰ رحیمیہ، ج ۶، ص ۳۳۳-۳۳۵

۹۷۔ معارف الحدیث، ج ۸، ص ۳۳۹

۹۸۔ ایضاً

۹۹۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۱۰۴

۱۰۰۔ سنن نسائی، ج ۲، ص ۷۵، کتاب النکاح، باب جهاز الرجل ابنة

۱۰۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۴

۱۰۲۔ ایضاً ص ۲۵۵

۱۰۳۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۹

۱۰۴۔ مواہب الدنیہ مع زرقانی، ج ۲، ص ۳۶۶

۱۰۵۔ زرقانی شرح مواہب، ج ۲، ص ۳۶۶

۱۰۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۴؛ مواہب الدنیہ مع زرقانی، ج ۲، ص ۲۶۶

۱۰۷۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۲، ص ۴۱۰؛ مجمع الزوائد، ج ص ۲۳۲؛ شفا قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۳۹

۱۰۸۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۲، ص ۴۱۰؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۳۲؛ شفا قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۹۴

۱۰۹۔ بخاری، ج ۱، ص ۳۵۸، کتاب الہبہ، باب الاستعرہ للعروس عندالبناء

۱۱۰۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲۳

۱۱۱۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۷۷ برحاشیہ الاصابہ ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا

۱۱۲۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۱، ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۳۷

۱۱۳۔ تفسیر درمنثور، ج ۸، ص ۶۰۲، سورۃ نصر؛ بخاری، ج ۲، ص ۶۳۸

۱۱۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۳۱

۱۱۵۔ ایضاً

۱۱۶۔ ایضاً

۱۱۷۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷

۱۱۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵؛ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۳

۱۱۹۔ کنز العمال، طبع جدید حلب، ج ۱۲، ص ۵۱۵، حدیث نمبر ۳۵۶۷۷، فضائل الصحابہ فضل

الصدیق؛ کنز العمال، طبع قدیم، ج ۶، ص ۳۱۸

۱۲۰۔ ریاض النضرۃ لمحب لطبری، ج ۱، ص ۱۵۶، تحت وفات الفاطمہ

۱۲۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۸، تحت ذکر فاطمہ بنت رسول ﷺ

۱۲۲۔ خلاصۃ الوفا، ص ۲۱۷

۱۲۳۔ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۳؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۸۰

۱۲۴۔ خلاصۃ الوفا، ج ۳، ص ۹۰۱، ذکر قبر فاطمہ بنت رسول ﷺ

۱۲۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷

۱۲۶۔ نسب قریش، ص ۴۴، تحت اولاد فاطمہ؛ المعارف ابن قتیبہ، ص ۹۲

۱۲۷۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۲۷؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۳

۱۲۸۔ تفسیر کشاف، ج ۴، ص ۸۰۷

۱۲۹۔ مسند امام احمد، ج ۴، ص ۳۰۴، ۲۹۷

۱۳۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۴

۱۳۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵؛ زرقانی، ج ۴، ص ۳۳۶-۳۳۷

۱۳۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵؛ زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۸

۱۳۳۔ زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۹

۱۳۴۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵

۱۳۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵-۶۶، زرقانی، ج ۴، ص ۳۵۱

۱۳۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۴۵، کتاب الکسوف

شاہِ کونین ﷺ کے نواسے، نواسیاں

۱۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۴۱؛ الاصابہ، ج ۲، ص ۵۴

۲۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۲، ص ۴۳۴؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۵۰

۳۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۵۱۰؛ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۴۱

۴۔ بخاری، ج ۱، ص ۷۴، کتاب الصلوٰۃ؛ ج ۲، ص ۸۸۷، باب رحمت الولد

۵۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۲۳۵ برحاشیہ الاصابہ، تحت امامہ بنت العاص؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۵۴

۶۔ کتاب سلیم بن قیس الکوفی، ص ۲۲۶، بحوالہ بنات اربعہ، ص ۱۳۸

۷۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۵۴، تحت مغیرہ بن نوفل؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۰۷؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۳۶ برحاشیہ الاصابہ

۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱؛ تحت ذکر رقیہؓ

۹۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۰، کتاب المناقب، الحسن والحسین

۱۰۔ فتوح البلدان بلاذری، ذکر عطا عمر بن خطاب

۱۱۔ اخبار الطوال، ص ۱۵۵، بحوالہ سیر صحابہ، ج ۶، ص ۱۹

۱۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶

۱۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۰۵۳، کتاب الفتن

۱۵۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۰، کتاب المناقب

۱۶۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۷۶

۱۷۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۸

۱۸۔ رحمت للعالمین، ج ۲، ص ۱۱۹-۱۲۰

۱۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۶۴

۲۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۹۰ برحاشیہ الاصابہ

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۶۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۴۶۴

۲۴۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ج ۲، ص ۱۰۰۳

تذکرہ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

اللہ جل مجدہٗ نے جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان کو دینی و دنیوی سیادت و قیادت سے سرفراز کیا، آپ ﷺ کے گھرانے کو بھی دنیا جہان کے گھرانوں میں افضل، معزز اور اشرف بنایا۔ زیرِ نظر کتاب میں معروف اصطلاح ''خاندان'' کے بجائے ''آلِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم'' اور ''اہلِ بیتِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم'' جیسی پاکیزہ اور ارفع نسبت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے تناظر میں ''آل اور اہلِ بیت'' کے استعمال پر بحث کی گئی ہے۔ لفظ ''آل'' اپنے وسیع تر معنوں میں سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاندان، ازواج مطہرات، اولاد اطہار، صحابہ کبار اور ہر پرہیزگار متقی امتی پر محیط ہے، جبکہ ''اہلِ بیت'' کی حقیقی اور اصلی مصداق حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات ہیں، اور انہی کی اولاد، یعنی چاروں صاحبزادیاں بھی ان کے ساتھ اس شرف میں برابر کی شریک و سہیم ہیں۔ اس ضمن میں علماء، مفسرین اور محدثین کی تصریحات بھی کتاب کا حصہ ہیں۔

Al-Fath Publications
Rawalpindi, Pakistan

US $ 23.
Rs. 330.

9789699400032

alfathpublications@gmail.com   + 92 322 517 741 3